مصطفیٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ اور تصوف

اعلیحضرت امام احمد رضا خان قادری بریلوی رحمۃ اللہ علیہ
کی صوفیانہ سیرت اور شریعت و طریقت میں
آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مرتبہ و مقام پر مشتمل دو تحقیقی مقالے

بنام

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ اور تصوف



مقالہ نگاران

مولانا محمد احمد مصباحی اعظمی
استاذ جامعہ اشرفیہ مصباح العلوم
و رکن المجمع الاسلامی مبارکپور (انڈیا)

پروفیسر سید اعجاز احمد مدنی
برہانی کالج ممبئی

مرتب
محمد رضاءُ الحسن قادری

کرمانوالہ بک شاپ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الصلوٰۃ والسلام علیک یا سیدی یا رسول اللہ
وعلیٰ آلک واصحبک یا سیدی یا حبیب اللہ

اعلیٰحضرت امام احمد رضا خان قادری بریلوی رحمۃ اللہ علیہ
کی صوفیانہ سیرت اور شریعت و طریقت میں
آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مرتبہ و مقام پر مشتمل دو تحقیقی مقالے

بنام

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ اور تصوّف

مقالہ نگاران

مولانا محمد احمد مصباحی اعظمی
استاذ جامعہ اشرفیہ مصباح العلوم
و رکن المجمع الاسلامی مبارکپور انڈیا

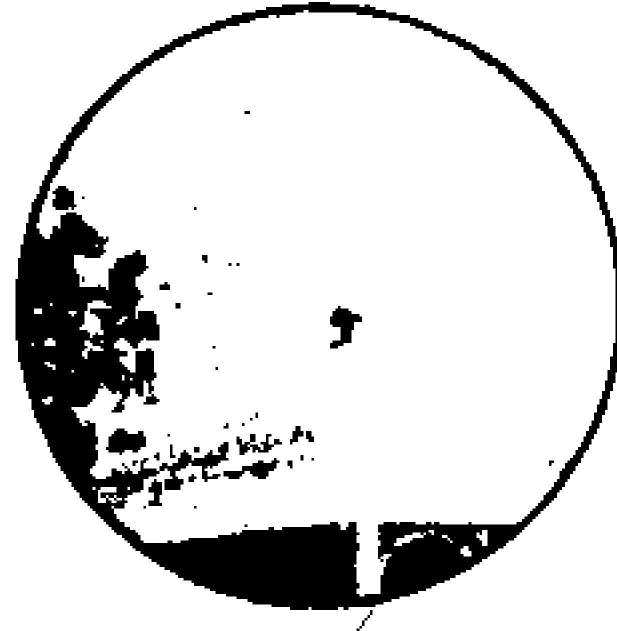
پروفیسر سید اعجاز احمد مدنی
برہانی کالج ممبئی

مرتب

محمد رضاء الحسن قادری

کرمانوالہ بک شاپ
دوکان نمبر ۲۔ دربار مارکیٹ لاہور
Voice: 042-7249515

بفیضانِ کرم



حضرت سید محمد اسمٰعیل شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

المعروف حضرت کرمانوالے آستانہ عالیہ حضرت کرمانوالہ شریف۔ اوکاڑہ

84722

حضرت سید
محمد علی شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید
محمد عثمان علی شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید
محمد غضنفر علی شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

حضرت سید
صمصام علی شاہ بخاری مدظلہ العالی

زیرِ نگرانی

پیر سید میر طیب علی شاہ بخاری مدظلہ العالی

سجادہ نشین حضرت کرمانوالہ شریف

قیمت 90 روپے

زیرِ اہتمام

سمیع اللہ برکت

زیرِ ادارت

حاجی انعام اللہ طیبی نقشبندی برکاتی

شائع

25 مارچ 2007

فہرس



حرفِ آغاز

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

حَامِداً وَّ مُصَلِّیاً

پیشِ نظر مقالہ کئی سال پہلے مولانا سید صغیر اشرف بستوی اور حافظ قمر الدین رضوی آف بھیونڈی کی تحریک پر فل اسکیپ سائز کے قریباً تیس صفحات پر لکھا گیا اور بھیونڈی میں ''امام احمد رضا سمپوزیم'' (9 جنوری 1984ء) میں پیش ہوا پھر میں اس کی اشاعت سے بے فکر ہو گیا مگر جب سمپوزیم کے دوسرے مقالات کی طرح یہ بھی (بھیونڈی کے فسادات اور کچھ مجبوریوں کے باعث) تشنۂ اشاعت رہا تو مجھ سے متعدد احباب و اعزّہ نے اس کی اشاعت کا تقاضا کیا۔ ان میں سید ریاست علی قادری صاحب آف کراچی، مولانا عبد المبین نعمانی، مولانا نصر اللہ رضوی بھیروی زِیۡدَتۡ مَکَارِمُھُمۡ اور برادرِ عزیز مولانا احمد القادری عزیزی، مولوی جمال اشرف ولید پوری، مولوی اختر کمال قادری گھوسوی، عزیزی مولوی مبارک حسین رامپوری سَلَّمَھُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں مگر اپنی عدیم الفرصتی کے باعث عرصۂ دراز تک ان احباب و اعزّہ کی فرمائش کی تکمیل سے قاصر رہا۔ محرم 1408ھ میں اس طرف توجہ کا موقع ملا تو میں نے پورے مقالے پر نظر ثانی کی اور ترمیم و اضافہ بھی کیا جس سے وہ فل اسکیپ سائز کے قریباً ستر صفحات تک پہنچ گیا۔

خدا کا شکر ہے کہ آج کی ظاہر بیں دنیا اور مادہ پرست ماحول میں بھی کچھ بندگانِ خدا ایسے ہیں جو اخلاصِ عمل، احتیاط و تقویٰ اور احسان و تصوّف سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے اہلِ سلسلہ اور ان کے عقیدت مندوں میں بھی ایسے بہت سے مضطرب قلوب ہیں جو امام موصوف کے احسان و تصوّف کا تفصیلی مطالعہ کرنے کے خواہشمند ہیں اور اس کی روشنی میں اپنی عملی دنیا اور اُخروی لمحات سنوارنے کے آرزومند

بھی۔ مجھے امید ہے کہ ایسے تمام حضرات اس کتاب میں انشاء اللہ تعالیٰ اپنے قلب و روح کی تسکین کا بہت سا سامان بہم پائیں گے۔

وَاللّٰهُ الْهَادِیْ وَاِلَیْهِ الْمَآبُ

محمد احمد مصباحی غُفِرَ لَہٗ

اُستاذِ جامعہ اشرفیہ ''مصباح العلوم''

بھیرہ، ولید پور، اعظم گڑھ

پیر 17 صفر 1408ھ / 12 اکتوبر 1987ء



سببِ تالیف

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ط

اس مقالہ کی تحریر کا خاص محرّک یہ ہوا کہ ضیائے حرم لاہور کے اعلیٰ حضرت بریلوی نمبر میں سید اعجاز احمد مدنی صاحب کا مضمون ''امام احمد رضا علیہ الرحمہ اور تعلیماتِ تصوّف''[1] میری نظر سے گزرا جس میں انہوں نے امام احمد رضا علیہ الرحمہ جیسے عظیم صوفی کے تصوّف پر علماء کے مضامین اور نگارشات نہ ہونے کا شکوہ کیا تھا لیکن نہ لکھنے کا سبب دوسرے موضوعات اور دوسری خدمات میں علماء کی مصروفیت کو قرار دینے کی بجائے موصوف نے یہ سمجھا کہ امام احمد رضا کے تلامذہ اور تلامذہ کے تلامذہ چونکہ صرف درسگاہی اور ظاہری عالم تھے، اس لیے تصوّف پر کچھ نہ لکھ سکے۔ خانقاہی بزرگ کی اس تحریر سے راقم کو صدمہ ہوا۔ دراصل وہ شریعت وطریقت اور معقول ومنقول میں ہمارے اکابر کی جامعیت سے بے خبری میں جو سمجھ میں آیا، کہہ گئے۔ مزید کرم یہ کہ خود بھی موضوع کا حق ادا نہ کیا اور صرف چند شواہد پر قصہ تمام کردیا۔ اسی دوران مجھے بھونڈی سے ''امام احمد رضا سمپوزیم'' میں شرکت کا دعوت نامہ ملا تو میں اسی موضوع پر مقالہ لکھ کر گیا۔ حسنِ اتفاق کہ سید صاحب موصوف (پروفیسر برہانی کالج بمبئی) بھی اس تقریب میں مدعو تھے۔ انہوں نے میرے سنانے سے پہلے ہی میرا مقالہ بہت حیرت کے ساتھ پڑھا اور مسرور بھی ہوئے کیوں کہ صاف دل اور نیک طبع بزرگ ہیں۔ مجھ سے فرمایا کہ آپ نے زبردست مطالعہ کیا ہے۔ دوسری باتیں بھی رہیں۔ اب یہ اضافہ کے ساتھ نذرِ قارئین ہے۔ ربِّ کریم شرفِ قبولیت سے نوازے۔ آمین۔

محمد احمد مصباحی غفرلہٗ

بھیرہ، ولید پور، اعظم گڑھ

پیر 17 صفر 1408ھ/12 اکتوبر 1987ء

1- یہ مضمون کتاب کے آخر میں ملاحظہ فرمائیں۔

حیاتِ امام احمد رضا ماہ وسال کے آئینے میں

- ولادت باسعادت (محلہ جسولی بریلی، بھارت) ۱۰ شوال ۱۲۷۲ھ/۱۴ جون ۱۸۵۶ء
- ختم قرآنِ کریم ۱۲۷۶ھ/۱۸۶۰ء (بعمر ۴ سال)
- پہلی تقریر (میلادِ رسول مقبول) ربیع الاول ۱۲۷۸ھ ۱۸۶۱ء (بعمر ۶ سال)
- پہلی عربی تصنیف (شرح ہدایۃ النحو) ۱۲۸۰ھ/۱۸۶۴ء (بعمر ۸ سال)
- دستارِ فضیلت شعبان ۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ء (بعمر ۱۴ سال)
- آغازِ فتویٰ نویسی ۱۴ شعبان ۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ء (بعمر ۱۴ سال)
- آغازِ درس وتدریس ۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ء
- ازدواجی زندگی ۱۲۹۱ھ/۱۸۷۴ء (بعمر ۱۸ سال)
- فرزندِ اکبر مولانا محمد حامد رضا خاں کی ولادت ربیع الاول ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء
- فتویٰ نویسی کی مطلق اجازت ۱۲۹۳ھ/۱۸۷۶ء
- بیعت وخلافت ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء (بعمر ۲۱ سال)
- پہلی اردو تصنیف ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء
- پہلا حج اور زیارتِ حرمین شریفین ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء
- شیخ احمد بن زین بن دحلان مکی سے اجازتِ حدیث ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء
- مفتی مکہ شیخ عبدالرحمن سراج مکی سے اجازت حدیث ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء
- امامِ کعبہ شیخ حسین بن صالح جمل اللیل مکی سے اجازتِ حدیث ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء
- آپ کی پیشانی میں شیخ موصوف کا مشاہدۂ انوارِ الٰہیہ ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء
- مسجد خیف (مکہ معظمہ) میں بشارتِ مغفرت ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء

- زمانۂ حال کے یہود و نصاریٰ کی عورتوں سے نکاح کے عدم جواز کا فتویٰ — ۱۲۹۸ھ/۱۸۸۱ء
- تحریک ترک گاؤکشی کا سدِ باب — ۱۲۹۸ھ/۱۸۸۱ء
- پہلی فارسی تصنیف — ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۲ء
- اُردو شاعری کا سنگھار (قصیدۂ معراجیہ کی تصنیف) — قبل ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۵ء
- فرزندِ اصغر مفتیٔ اعظم محمد مصطفیٰ رضا خاں کی ولادت — ۲۲ ذوالحجہ ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ء
- ندوۃ العلماء کے جلسہ تاسیس (کانپور) میں شرکت — ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۳ء
- تحریک ندوہ سے علیحدگی — ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء
- مقابر پر عورتوں کے جانے کی ممانعت میں فاضلانہ تحقیق (جمل النور فی نہی النساء عن زیارۃ القبور) — ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء
- قصیدۂ عربیہ امال الابرار وآلام الاشرار — ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء
- ندوۃ العلماء کے خلاف ہفت روزہ اجلاس پٹنہ میں شرکت — رجب ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء
- علمائے ہند کی طرف سے خطاب "مُجَدِّدِ مِائَۃ حَاضِرہ" — ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء
- تاسیس دار العلوم منظرِ اسلام بریلی — ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء
- دوسرا حج اور زیارتِ حرمین شریفین — ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء
- امامِ کعبہ شیخ عبداللہ میر داد اور ان کے استاد حامد احمد محمد جدّادی مکی کا مشترکہ استفتاء اور امام احمد رضا کا فاضلانہ جواب — ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء
- علماء مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے نام سنداتِ اجازت نامہ وخلافت — ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء
- کراچی آمد اور مولانا محمد عبدالکریم درسِ سندھی سے ملاقات — ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء

- عربی فتوے کو محافظ کتب الحرم سید اسماعیل خلیل ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء
  مکی کا زبردست خراجِ عقیدت
- شیخ ہدایت اللہ بن محمد بن محمد سعید السندھی مہاجر ۱۴ ربیع الاول ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء
  مدنی کا اعتراف مجدّدیت
- قرآنِ کریم کا اردو ترجمہ (کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن) ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء
- شیخ موسیٰ علی الشامی الازہری کی طرف سے یکم ربیع الاول ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء
  خطاب ''امام الائمۃ المجدّد والہند الامّہ''
- حافظ کتب الحرم سید اسماعیل خلیل مکّی کی طرف ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۲ء
  سے خطاب ''خاتم الفقہاء والمحدّثین''
- علم المربعات میں ڈاکٹر سر ضیاء الدین کے قبل ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء
  مطبوعہ سوال کا فاضلانہ جواب
- ملّتِ اسلامیہ کیلئے اصلاحی وانقلابی پروگرام کا اعلان ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء
- بہاولپور ہائیکورٹ کے جسٹس محمد دین کے استفتاء ۲۴ رمضان المبارک ۱۳۳۱ھ/۱۹۱۳ء
  اور احمد رضا کا فاضلانہ جواب
- مسجد کانپور کے قضیے پر برطانوی حکومت سے ۱۳۳۱ھ/۱۹۳۱ء
  معاہدہ کرنے والوں کے خلاف ناقدانہ رسالہ
- ڈاکٹر سر ضیاء الدین (وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی مابین ۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء اور ۱۳۳۵ھ/
  علی گڑھ) کی آمد اور استفادۂ علمی ۱۹۱۶ء
- انگریزی عدالت میں جانے سے انکار اور حاضری ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء
  سے استثناء
- صدر الصدور صوبہ جات دکن کے نام ارشاد نامہ ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۶ء
- تاسیس جماعت رضائے مصطفیٰ بریلی تقریباً ۱۳۳۶ھ/۱۹۱۷ء
- سجدۂ تعظیمی کی حرمت پر فاضلانہ تحقیق ۱۳۳۷ھ/۱۹۱۸ء
  (الزبدۃ الزکیہ فی تحریم سجود التحیہ)

- امریکی ہیئت دان پروفیسر البرٹ ایف پورٹا کو شکست فاش ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء
- آئزک نیوٹن اور آئن سٹائن کے نظریات کے خلاف فاضلانہ تحقیق ۱۳۳۸ھ/۱۹۲۰ء
- ردِ حرکت زمین پر ۱۰۵ دلائل اور فاضلانہ تحقیق ۱۳۳۸ھ/۱۹۲۰ء
- فلاسفۂ قدیمہ کا ردِ بلیغ ۱۳۳۸ھ/۱۹۲۰ء
- دوقومی نظریہ پر حرفِ آخر ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء
- تحریک خلافت کا افشائے راز ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء
- تحریک ترک موالات کا افشائے راز ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء
- انگریزوں کی معاونت اور حمایت کے الزام کے خلاف تاریخی بیان ۱۳۳۹ھ/۱۹۲۱ء
- وصال[1] ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ/ ۲۸ اکتوبر ۱۹۲۱ء
- مدیر پیسہ اخبار کا تعزیتی نوٹ یکم ربیع الاوّل ۱۳۴۰ھ/۳ نومبر ۱۹۲۱ء
- سندھ کے ادیب شہیر سرشار عقلی تنوی کا تعزیتی مقالہ ۱۳۴۱ھ/۱۹۲۲ء
- بمبئی ہائیکورٹ کے جسٹس ڈی۔ ایف ملاّ کا خراجِ عقیدت ۱۳۴۹ھ/۱۹۳۰ء
- شاعرِ مشرق علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کا خراجِ عقیدت ۱۳۵۱ھ/۱۹۳۲ء

پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد
پرنسپل ٹھٹھہ کالج سندھ

(معارفِ رضا شمارہ ہفتم ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۷ء صفحہ 9 تا 14)



۱- وصال کے وقت عمر مطابق سن عیسوی ۶۵ سال اور مطابق سنِ ہجری ۶۸ سال تھی۔

اِمامِ اَحمد رَضا اور تصوّف

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

اَلْحَمْدُ لِوَلِیِّہٖ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی نَبِیِّہٖ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَجُنُوْدِہٖ

امام احمد رضا علیہ الرحمہ کے تصوّف پر گفتگو سے پہلے میں چاہتا ہوں کہ تصوف کا اجمالی تعارف کرادوں تاکہ اصل موضوع پر کماحقّہٗ روشنی پڑ سکے۔ یہ تعارف بھی قصداً امام احمد رضا علیہ الرحمہ کی تصنیف ''مقالِ عُرفاء باعزازِ شرع وعلماء'' (1327ھ) سے اخذ کیا گیا ہے تاکہ اصل موضوع کی مزید تقویت کا سامان ہو سکے۔

تصوّف کا اِجمالی تعارُف

عارف باللہ سیدی عبدالوہاب شعرانی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

اَلتَّصَوُّفُ اِنَّمَا ھُوَ زُبْدَۃُ عَمَلِ الْعَبْدِ بِاَحْکَامِ الشَّرِیْعَۃِ

''تصوّف کیا ہے؟ بس احکامِ شریعت پر بندہ کے عمل کا خلاصہ ہے''۔

(الطبقات الکبریٰ جلد ۱ صفحہ 4، مقالِ عرفاء باعزاز شرع وعلماء صفحہ 30)

سیدی ابوعبداللہ محمد بن خفیف ضبّی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

اَلتَّصَوُّفُ تَصْفِیَۃُ الْقُلُوْبِ وَاتِّبَاعُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الشَّرِیْعَۃِ

''تصوّف اس کا نام ہے کہ دل صاف کیا جائے اور شریعت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہو''۔ (الطبقات الکبریٰ جلد ۱ صفحہ 121، مقالِ عرفاء باعزاز شرع وعلماء صفحہ 21)

تصوّف طریقت ہی کا دوسرا نام ہے اور طریقت اُس راہ کا نام ہے جو خدا تک پہنچانے والی ہو۔ اب خدا تک پہنچانے والی راہ کون سی ہے؟ اُسے سیدنا غوث اعظم شیخ عبد

القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی زبانِ فیض ترجمان سے سُنیے:

اَقْرَبُ الطُّرُقِ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی لُزُوْمُ قَانُوْنِ الْعُبُوْدِیَّۃِ وَالْاِسْتِمْسَاکُ بِعُرْوَۃِ الشَّرِیْعَۃِ۔

''اللہ عزوجل کی طرف سب سے زیادہ قریب راستہ قانونِ بندگی کو لازم پکڑنا اور شریعت کی گرہ کو تھامے رہنا ہے''۔

(بہجۃ الاسرار صفحہ 50، مقال عرفاء باعزاز شرع وعلماء صفحہ 16)

ہر صوفیِ کامل درجۂ ولایت پر فائز ہوتا ہے اور ہر ولی صوفیِ کامل ضرور ہوتا ہے۔ ولی کون ہے؟ اس کی تعریف میں بھی بہت سے اقوال ہیں لیکن قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَکَانُوْا یَتَّقُوْنَ۔ (یونس:63)

''(اولیاء اللہ وہ ہیں) جو ایمان اور تقویٰ کے کمال سے سرفراز ہوں''۔

دوسری بات یہ ہے کہ ولایت کیلئے کرامت لازم ہے مگر کرامت دو طرح کی ہے:

i- جس میں کسی دھوکہ کا دخل نہیں ہوسکتا۔

ii- جس میں استدراج اور شعبدہ کا شبہ ہوسکتا ہے۔

تو اصل کرامت وہی ہے جو شبہ سے پاک ہو۔ اسی لئے سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

کَرَامَۃُ الْوَلِیِّ اسْتِقَامَۃُ فِعْلِہٖ عَلٰی قَانُوْنِ قَوْلِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔

''ولی کی کرامت یہ ہے کہ اس کا فعل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے قانون پر ٹھیک اُترے''۔ (بہجۃ الاسرار صفحہ 39، مقال عرفاء باعزاز شرع وعلماء صفحہ 15)

حضرت شیخ اکبر محی الدین محمد بن العربی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

''ایک کرامت تو حسّی ہوتی ہے جسے عوام بھی جانتے ہیں جیسے ہوا میں اُڑنا، پانی پر چلنا، گذشتہ و آئندہ حالات کی خبر دینا، سینکڑوں منزل بیک قدم طے کرلینا''۔

دوسری کرامت معنوی ہوتی ہے جسے صرف خواص پہچانتے ہیں جیسے اپنے نفس پر آدابِ شرعیہ کی حفاظت رکھے، عمدہ خصلتیں حاصل کرنے اور بُری عادتوں

سے بچنے کی توفیق پائے۔ تمام واجبات ٹھیک وقت سے ادا کرنے کا التزام رکھے۔ ان کرامتوں میں مکر واستدراج کو دخل نہیں اور وہ کرامتیں جنہیں عوام پہچانتے ہیں ان سب میں مکرِ نہاں کی مداخلت ہوسکتی ہے''۔

(فتوحاتِ مکیہ جلد 2 صفحہ 369، مقال عرفاء باعزاز شرع وعلماء صفحہ 27)

علمائے باطن کے ان ارشادات کی روشنی میں تصوُّف، صاحبِ تصوُّف، کرامت، صاحبِ کرامت اور ولی کا اجمالی نقشہ ذہن میں آجاتا ہے کہ اصل تصوُّف تصفیۂ قلب اور اتباعِ شریعت ہے۔ حقیقی اور اعلیٰ کرامت شریعت پر استقامت ہے۔ سچا ولی وہی ہوگا جو سیّد الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت وپیروی میں سچا ہو۔

حضرت ابوالقاسم قشیری رضی اللہ عنہ رسالہ مبارکہ قشیریہ میں سیدی ابوالعباس احمد بن محمد الآدمی معاصرِ سیدنا جنید بغدادی قُدِّسَ سِرُّھُمَا کا فرمان نقل کرتے ہیں:

مَنْ اَلْزَمَ نَفْسَہٗ اٰدَابَ الشَّرِیْعَۃِ نَوَّرَ اللّٰہُ قَلْبَہٗ بِنُوْرِ الْمَعْرِفَۃِ وَلَا مَقَامَ اَشْرَفُ مِنْ مَّقَامِ مُتَابَعَۃِ الْحَبِیْبِ فِیْ اَوَامِرِہٖ وَاَفْعَالِہٖ وَاَخْلَاقِہٖ

''جو اپنے اُوپر آدابِ شریعت لازم کرے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو نورِ معرفت سے روشن کردے گا اور کوئی مقام اس سے بڑھ کر معظم نہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام، افعال، عادات سب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی جائے''۔

(رسالہ قشیریہ صفحہ 18، مقال عرفاء باعزاز شرع وعلماء صفحہ 20)

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

لَوْ نَظَرْتُمْ اِلٰی رَجُلٍ اُعْطِیَ مِنَ الْکَرَامَاتِ حَتّٰی یَرْتَقِیَ فِی الْھَوَاءِ فَلَا تَغْتَرُّوْا بِہٖ حَتّٰی تَنْظُرُوْا کَیْفَ تَجِدُوْنَہٗ عِنْدَ الْاَمْرِ وَالنَّھْیِ وَحِفْظِ الْحُدُوْدِ وَاٰدَابِ الشَّرِیْعَۃِ

''اگر تم کسی شخص کو دیکھو کہ جسے ایسی کرامت دی گئی کہ ہوا پر چار زانو بیٹھ سکے تو اس سے فریب نہ کھانا جب تک یہ نہ دیکھو کہ فرض وواجب، مکروہ وحرام اور محافظتِ حدود وآدابِ شریعت میں اُس کا حال کیسا ہے؟''

(رسالہ قشیریہ صفحہ 15، مقال عرفاء باعزاز شرع وعلماء صفحہ 18)

یہاں تک تصوُّف وولایت اور صوفی وولی کا مختصر تعارف تھا۔ اب میں چاہتا ہوں کہ ان اقوال کی روشنی میں امام اَحمد رضا علیہ الرحمۃ کا صاحبِ تصوُّف، حاملِ طریقت، صاحبِ کرامت اور ولیِ کامل ہونا اجمالاً ثابت کرلیا جائے پھر کچھ تفصیلات پیش ہوں۔

اِمامِ اَحمد رضا علیہ الرحمۃ کے تصوُّف پر اِجمالی نظر

اعلیٰ حضرت امام رضا رضی اللہ عنہ کی زندگی پر ایک طائرانہ نظر ڈالنے ہی سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہوکر سامنے آتی ہے کہ انہوں نے پوری زندگی شریعت پر سختی سے عمل کیا۔ ہر فرض و واجب کی محافظت اور اتباعِ سنت و شریعت میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ ہونے دیا جس کے نتیجے میں اُن کا قلبِ مبارک ایسا پاکیزہ اور مزکّٰی و مُصفّٰی ہو چکا تھا کہ نورِ معرفت کی تابندگی اوائلِ زندگی ہی میں نظر آنے لگی۔

امام اَحمد رضا علیہ الرحمۃ 1294ھ میں جب محبِّ رسول مولانا عبد القادر بدایونی علیہ الرحمۃ کے ایماء پر اپنے والدِ گرامی عمدۃ المحققین مولانا نقی علی خاں علیہ الرحمۃ کی معیت میں مارہرہ شریف سیدنا شاہ آلِ رسول مارہروی رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر بیعت سے شرف یاب ہوئے تو اسی وقت والدِ گرامی کے ساتھ اِجازت وخلافت سے بھی سرفراز کیے گئے۔

حضرت مولانا سید شاہ آلِ رسول مارہروی علیہ الرحمۃ اُن اربابِ سلوک اور اہلِ ایصال مُرشدینِ کرام میں سے تھے جو اپنے مُسترشدین ومریدین کو ریاضت ومجاہدہ کی سخت منزلوں سے گزارتے، ان کے قلوب کا بھرپور تزکیہ وتصفیہ کرتے پھر جب انہیں سجّادۂ مشیخت اور مسندِ ارشاد پر جلوہ آرائی کے قابل دیکھتے تو خلافت واجازت سے سرفراز کرتے مگر امام اَحمد رضا علیہ الرحمۃ اور ان کے والد گرامی علیہ الرحمۃ کو بلا ریاضت ومجاہدہ، بیعت کے ساتھ ہی خلافت بھی دے دی گئی۔ یہ اس بارگاہ کا ایک عجیب وغریب واقعہ تھا۔

حضرت ''خاتم الاکابر'' (1296ھ) سیدنا شاہ آلِ رسول کے ولیِ عہد، پوتے اور خلیفۂ باکمال سیّدنا ابوالحسین اَحمد نوری علیہ الرحمۃ نے عرض کیا: حضور! آپ کے یہاں تو بڑی ریاضت ومجاہدہ کے بعد خلافت دی جاتی ہے، ان کو ابھی کیسے دے دی گئی؟ فرمایا:

''اور لوگ میلا کچیلا زنگ آلود دل لے کر آتے ہیں، اس کے تزکیہ کیلئے ریاضت و مجاہدہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ مُصفّٰی و مُزکّٰی قلب لے کر آئے، انہیں ریاضت و مجاہدہ کی کیا ضرورت تھی؟ صرف اتصالِ نسبت کی حاجت تھی جو بیعت کے ساتھ ہی حاصل ہو گیا''۔

مزید فرمایا:

''مجھے بڑی فکر تھی کہ بروزِ حشر اگر احکم الحاکمین نے سوال فرمایا کہ آلِ رسول! تو میرے لئے کیا لایا ہے؟ تو میں کیا پیش کروں گا مگر خدا کا شکر ہے کہ آج وہ فکر دور ہو گئی۔ اُس وقت میں ''احمد رضا'' کو پیش کروں گا''۔

حضرت ولیِ عہد موصوف (معروف بہ میاں صاحب) سے یہ بھی فرمایا:

''دیکھو! اب ہماری اور ہمارے خاندان کے اکابر کی جو کتابیں شائع ہوں ان دونوں عالموں (مولانا عبدالقادر بدایونی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ) کو دکھالی جائیں اور یہ جیسے اصلاح کریں، قبول کی جائے پھر اشاعت ہو''۔

1294ھ میں امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی عمر صرف بائیس (22) سال تھی لیکن ان کا قلب مبارک ایسا روشن و مزکّٰی ہو چکا تھا کہ اُس بارگاہِ عالی میں ایسی قدر دانی و عزت افزائی ہوئی۔ ایک تو فوراً خلافت عطا کی گئی۔ دوسرے یہ عظیم امتیاز ملا کہ روزِ قیامت احکم الحاکمین جل جلالہ کی بارگاہ میں اپنی کمائی پیش کرنے کا موقع آیا تو فرمایا: ''احمد رضا کو پیش کروں گا''۔ تیسرے یہ کہ توجہ تشبیہی سے نوازے گئے۔ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ اپنے مرشدِ گرامی کے ساتھ خانقاہ کے دارِ وازۂ نشینی سے برآمد ہوئے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت سیدنا آل رسول مارہروی رحمۃ اللہ علیہ عنفوانِ شباب میں رونق افروز ہیں۔ داڑھی کی سپیدی اور سیاہی سے سیدنا آل رسول اور مولانا احمد رضا میں امتیاز کیا جا سکا۔ (ترجمانِ اہلسنت پیلی بھیت شمارہ پنجم تا دہم اور دوسری کتب و روایات)

جب ابتداء کا یہ حال و کمال ہے تو انتہاء کا عروج و ارتقاء کیا ہو گا؟ اصل تو مرشد کی عنایت ہے جس کے بغیر راہِ سلوک طے نہیں ہوتی اور مرشد نے اُسی دن بلکہ اُسی وقت توجہ تشبیہی اور دوسری عنایات سے یہ عیاں کر دیا کہ ہم نے احمد رضا کو سب معارف و حقائق

سپرد کر دیے، اُسے اپنا نائب و خلیفہ ہی نہیں بلکہ اپنا مظہرِ اتم اور پر تو کامل بنا دیا۔ اب وہ اس کا اہل ہے کہ میرے بیان کردہ اور تحریر فرمودہ حقائق و معارف پر نظرِ ثانی کر سکے اور اس کی نظر کے بغیر کوئی کتاب شائع نہ کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ شریعت ہوں یا اہلِ طریقت، اصحابِ مدارس ہوں یا اربابِ خانقاہ، سبھی اِمام اَحمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں استفادہ و استصواب کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اگر ایک طرف وہ صدر الشریعہ مولانا امجد علی اعظمی اور محدث اعظم مولانا سید محمد کچھوچھوی کے استاذِ جلیل حافظِ صحیح بخاری[1] مولانا وصی اَحمد محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ کے بلند پایہ درس گاہی سوالات کا حل لکھ رہے ہیں[2] تو دوسری طرف مولانا سید شاہ اَحمد اشرف رحمۃ اللہ علیہ کے اہم خانقاہی سوالات کے جوابات دے[3] رہے ہیں۔ عظیم مفتی و محقق مولانا ارشاد حسین رامپوری (متوفی ۱۳۱۱ھ) کے فتوے کی تنقید و تصحیح کرتے ہوئے دیکھے جا رہے ہیں[4] تو سید نور الدین حسین رئیسِ اعظم بڑودہ کے دقیق سوالاتِ

1- استاذ محترم حافظِ ملت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث دار العلوم اشرفیہ مبارک پور (۱۳۱۲ھ تا ۱۳۹۶ھ) فرماتے تھے کہ محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ کو صحیح بخاری شریف اس طرح حفظ تھی کہ اگر شبینہ میں قرآن کی طرح اسے پڑھنا روا ہوتا تو وہ پوری پڑھ کر سنا سکتے تھے۔ ۱۲ محمد اَحمد

2- فتاوٰی رضویہ جلد 3 صفحہ 76 تا 80 التعلیق المجلی شرح منیۃ المصلی از محدث سورتی مختلف مقامات۔ ۱۲ محمد اَحمد

3- یہ جوابات اعلیٰ حضرت اِمام اَحمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''نقاء السلافہ فی احکام البیعۃ والخلافہ'' (1319ھ) میں ملاحظہ ہوں۔ ۱۲ محمد اَحمد

4- غالباً یہ وہی فتویٰ ہے جو فتاوٰی رضویہ جلد سوم کے صفحہ 168 اور 169 پر ہے چونکہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اکابرِ علمائے اہلسنت کا بڑا احترام کرتے تھے، اس لئے مولانا رامپوری رحمۃ اللہ علیہ کا مکمل فتویٰ نقل نہ کیا بلکہ نہایت اختصار کے ساتھ سوال اور فتویٰ میں ذکر شدہ دلیل قلمبند فرمائی اور اپنا جواب علیٰ حالہ رکھا ہے۔ یہ استفتاء مولانا ارشاد حسین رحمۃ اللہ علیہ کے بھائی مولانا امداد حسین کا مُرسلہ 1294ھ کا لکھا ہے جب اعلیٰ حضرت اِمام اَحمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی عمر صرف بائیس (22) سال تھی۔ حیاتِ اعلیٰ حضرت میں ملک العلماء مولانا ظفر الدین قادری بہاری رحمۃ اللہ علیہ نے اتنا تو یقین کے ساتھ لکھا ہے کہ یہ واقعہ (فتویٰ لکھنا پھر رامپور تشریف لے جانا) شادی کے بعد کا ہے مگر عمر کی تعیین حتمی طور پر نہیں فرمائی ہے۔ اس لئے کوئی بعید نہیں کہ یہ واقعۂ مذکورہ فتویٰ 1294ھ سے ہی متعلق ہو۔ واللہ اعلم۔ ۱۲ محمد اَحمد

تصوف کی برجستہ شرح فرماتے ہوئے بھی نظر آ رہے ہیں لکھتی[1] کہ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے مربی طریقت حضرت سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری علیہ الرحمۃ کے اہم علمی و خانقاہی سوالات کے جوابات بھی لکھ رہے ہیں۔[2] فتاویٰ رضویہ کی جلدوں اور مختلف رسائل کے صفحات پر اس سے زیادہ مثالیں دیکھی جا سکتی ہیں جو یہ ثبوت فراہم کرنے کیلئے کافی سے زائد ہیں کہ یہ عبقری زمانہ شریعت و طریقت دونوں کا عالم اور علماء و صوفیہ دونوں کا امام ہے۔

امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے تصوف پر تفصیلی نظر

اب میں امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے تصوف پر مفصل گفتگو کرنے کیلئے چاہتا ہوں کہ اس مقالہ کو تین ابواب میں تقسیم کروں اور ہر ایک کے شواہد الگ الگ پیش کروں۔

1۔ تصوفِ اعتقادی:

جس میں یہ بیان ہوگا کہ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ اعتقادیات میں عرفائے کاملین اور صوفیۂ وواصلین ہی کے مسلک پر کار بند رہے۔ یاد رہے کہ اعتقاد صرف خیال وادراک کا نام نہیں بلکہ اعتقاد ایک عمل بھی ہے لیکن خاص عملِ قلب ہے یعنی دل کا کسی نظریہ کو راسخ و مضبوط طور پر قبول کر لینا اور اس کے اذعان و یقین سے سرشار ہو جانا۔ قارئین امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے اعتقادات میں وہی سرشاری اور وہی یقین واذعان پائیں گے جو خاص عرفاء اور اہل دل کا حصہ ہے۔

2۔ تصوفِ عملی:

اس سے مراد صوفیہ کے قلبی اعمال اور ان کا ورع و تقویٰ ہے جسے رب العلمین نے اپنے اولیاء کا علامتی نشان بتایا ہے۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ کَانُوْا یَتَّقُوْنَ۔ (یونس:63)

1۔ کشف حقائق واسرار ودقائق 1308ھ

2۔ فتاویٰ رضویہ جلد 11 صفحہ 93 تا 100

3- تصوّفِ علمی:

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے فنِ تصوّف میں جو گراں قدر حقائق و معارف بیان کئے ہیں اور اہلِ سلوک کی جو عظیم رہنمائی فرمائی ہے وہ سب ''تصوّفِ علمی'' یا ''تعلیماتِ تصوّف'' سے عبارت ہیں۔

اقسامِ عقائد

باب العقائد پر نظر ڈالنے سے پہلے یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ تمام عقائد ایسے قطعی اور یقینی نہیں ہوتے جن کو اگر کوئی تسلیم نہ کرے تو اسلام سے خارج ہو جائے گا بلکہ اس حیثیت کے حامل صرف وہی عقائد ہوتے ہیں جو قطعی یقینی دلیلوں سے ثابت ہوں اور ان پر اجماعِ مسلمین قائم ہو۔ جس طرح بہت سے اعمال وعبادات دین وشریعت میں داخل ہیں لیکن ان سب کی حیثیت یکساں نہیں اور سب کی بجا آوری لازم وضروری نہیں بلکہ ان اعمال کے درجات ومراتب ہیں اور وہ فرض، واجب، سنت، مستحب، حرام، مکروہِ تحریمی، اساءت وغیرہ قسموں میں منقسم ہیں۔ ان کے دلائل اور احکام دونوں میں تفاوت ہے جن کی بجا آوری یا ترک کا وجوب قطعی دلیلوں سے ثابت ہوا۔ وہ علی الترتیب فرض یا حرامِ قطعی قرار دیے گئے اور جو کم درجہ کی دلیلوں سے ثابت ہوئے ان کا حکم کم درجہ کا ہوا۔

اسی طرح عقائد کا بھی معاملہ ہے۔ بعض ایسی قطعی یقینی اجماعی دلیلوں سے ثابت ہیں جن میں سے کسی ایک کا بھی منکر اسلام سے خارج ہو جاتا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، اس کا کذب اور عیب سے پاک ہونا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت، ان کا آخری نبی ہونا، توہینِ رسول کا منافیِ ایمان ہونا، ہر نبی کا بعطائے الٰہی غیب پر مطلع ہونا وغیرہ وغیرہ۔

بعض عقائد احادیثِ مشہورہ یا قابلِ تاویل آیاتِ قرآنیہ سے ثابت ہوئے، ان کیلئے ویسی قطعی یقینی دلیلیں فراہم نہ ہوسکیں تو ان کا منکر مُبتدع، بد دین، گمراہ قرار پاتا ہے اور بعض ان سے بھی کم درجہ کی دلیلوں سے ثابت ہوئے، ان کا منکر گمراہ بھی نہیں کہا جاتا بلکہ فاسق فی الاعتقاد قرار پاتا ہے اور کچھ ان سے بھی کم درجہ کے ہو سکتے ہیں جن کے منکر پر فسق فی

.84722

الا اعتقاد کا بھی حکم نافذ نہ ہو۔

ان اقسامِ عقائد کی مثالیں اور ان کی تفصیلات یہاں بیان کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔ ان کا اصل میدان علمِ کلام اور کتبِ عقائد ہیں۔

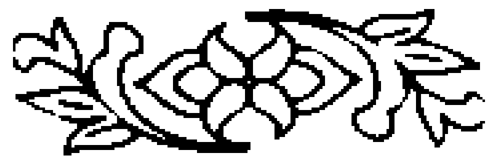
صوفیۂ کرام اُن تمام عقائد کے معتقد ہوتے ہیں جو قطعی یقینی دلیلوں سے ثابت ہیں۔ کسی بھی مسئلہ میں اور کسی بھی جگہ وہ ان سے سرِ مُو انحراف نہیں کر سکتے۔ اسی طرح جو اہلسنت کے مسلّمہ عقائد ہیں، انہیں بھی وہ مانتے ہیں لیکن عقائد کی بعض فروع میں، کشف وشہود کے نتیجہ میں ان پر بہت سی ایسی باتیں عیاں ہوتی ہیں جن تک عام عقلوں کی رسائی نہیں ہوتی اور وہ متفقہ عقائد کے خلاف بھی نہیں ہوتیں بلکہ ان میں پختگی اور تقویت کا سامان ہوتی ہیں۔ ان باتوں کو وہ مانتے ہیں اور انہیں اپنا عقیدہ قرار دیتے ہیں لیکن اہل ظاہر اور اس مقام سے قاصر لوگوں پر وہ ان عقائد کو مسلط نہیں کرتے بلکہ وہ ان کا اپنا ادراک اور اپنا اعتقاد ہوتا ہے جو اس منزلِ بلند پر فائز ہونے اور مظاہرِ ذات وصفات میں فکر وتدبر کے نتیجہ میں رونما ہوتا ہے، اس پر وہ قرآن واحادیث سے دلائل بھی رکھتے ہیں کیونکہ ان کا یہ مسلّمہ اصول ہے کہ جو کشف بھی نصوصِ قرآن وحدیث کے خلاف ہو، رد کر دیا جائے گا۔ پہلے وہ اپنے ہر انکشاف کو ان نصوص واصول پر پیش کر کے پرکھ لیتے ہیں۔ جب اسے کلامِ باری اور حدیث نبوی کے مطابق پاتے ہیں تو قبول کرتے ہیں ورنہ رد کر دیتے ہیں۔

قرآن وحدیث کے لطائف ومعانی کی انتہا نہیں۔ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ۔ (یوسف:12) ''اور ہر علم والے سے اوپر ایک علم والا ہے''۔ اس لئے یہ کوئی مقام حیرت نہیں کہ بہت سے معانی تک عام عقلوں کی رسائی نہ ہو سکے اور اربابِ کشف ومشاہدہ کو صفائے قلوب اور فضلِ ربانی کے نتیجہ میں ان معانی کا بدیہیات ومحسوسات کی طرح ادراک ہو جائے اور اربابِ ظاہر کسی دیدہ ور کی تفہیم وتلقین کے بغیر انہیں سمجھنے سے بھی قاصر ہوں۔ یہ عام عقلوں کا قصور ہے، اُن اجلّہ اولیاء اور ان کے پاکیزہ وبلند عقائد وافکار کا نہیں۔

عامی یا تو ان کے علم وتقویٰ اور کشف ومشاہدہ پر اعتماد کرتے ہوئے قبول کرے یا خاموش رہے کیونکہ وہ ایسے لازمی عقائد نہیں جن کا قبول جزوِ ایمان اور لازمِ اسلام ہو۔

بہت سے لوگ ان مخصوص عقائدِ صوفیہ و مشاہداتِ اولیاء کی اِس حیثیت کو بھول جاتے ہیں اور یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ یہ سب وہ قطعیات ہیں جن کے بغیر صوفیہ کے نزدیک کوئی مسلمان نہیں ہوسکتا حالانکہ یہ محض خام خیالی اور اقسامِ عقائد سے بے خبری کا نتیجہ ہے۔ خود وہ عقائد جو تمام اہلسنت کی کتابوں میں مدوّن ہیں، ان میں کتنے ایسے ہیں جن کو آج تک کسی عالم نے عقائد قطعیہ ضروریہ سے شمار نہ کیا اور نہ ان کے منکر پر حکمِ کفر عائد ہوا۔ ہاں! بے شمار عقائد قطعی یقینی اجماعی بھی ہیں جن میں سے کسی ایک کا بھی صریح انکار حکمِ تکفیر کیلئے کافی ہے۔

یہ سب عقائد کی مبسوط کتابوں کے مطالعہ اور ان پر اچھی طرح غور و فکر کرنے سے منکشف ہوسکتا ہے۔ اب آپ اس تمہید کو ذہن میں رکھیں اور نگاہِ عرفان و بصیرت اور دیدۂ عشق و عقیدت کے ساتھ اگلے اوراق کا مطالعہ کریں۔



باب اوّل:

تصوّفِ اعتقادی

وحدۃُ الوجود:

صوفیۂ کرام اور اہلِ عرفان "لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰہُ" کے قائل ہوتے ہیں۔ اُن کی نظر میں خدا تعالیٰ کے سوا سب معدوم ہیں، موجود ہی ذاتِ احد ہے۔ اہلِ ظاہر نے ہمیشہ یہی کہا کہ یہ معنیٰ عقولِ متوسطہ کی دنیا سے ماورا ہے اور عقلاً اس کا ادراک ہونا ممکن نہیں لیکن علامہ فضلِ حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ غالباً وہ پہلے عالمِ ربانی ہیں جنہوں نے اپنے رسالہ "الروض المجود فی تحقیقِ وحدۃ الوجود" میں اس مسئلہ کی حقانیت پر دلیلِ عقلی قائم کی اور فرمایا کہ یہ دلائل عقولِ متوسطہ ہی کی دنیا میں ہیں جنہیں کوئی فلسفی ردّ کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔

پورا رسالہ قابلِ دید ہے۔ حکیم سید محمد احمد برکاتی کے اُردو ترجمہ کے ساتھ مکتبہ قادریہ لاہور سے دوسری بار شائع ہو چکا ہے۔

علامہ خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے حاشیۂ قاضی مبارک میں بھی جا بجا اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور بہت کچھ تفصیل بھی فرمائی ہے۔

اِمام اَحمد رضا رحمۃ اللہ علیہ اپنی زندگی بھر وحدۃ الوجود کی حقانیت کے معتقد رہے اور متعدد تصانیف میں بھی اس کا ذکر فرمایا۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

> "مرتبۂ وجود میں صرف حق عزّوجلّ ہے کہ ہستی حقیقۃً اُسی کی ذاتِ پاک سے خاص ہے۔ وحدتِ وجود کے جس قدر معنیٰ عقل میں آسکتے ہیں، یہی ہیں کہ وجود واحد موجود واحد۔ باقی سب مظاہر ہیں کہ اپنی حد ذات میں اصلاً وجود و ہستی بہرہ نہیں رکھتے۔
>
> كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ (قصص: 88)
>
> "ہر چیز فانی ہے سوا اُس کی ذات کے"۔

اور حاشا یہ معنی ہر گز نہیں کہ من و تُو، زید و عمرو ہر شے خدا ہے۔ یہ اہلِ اتحاد کا قول ہے جو ایک فرقہ کافروں کا ہے اور پہلی بات اہلِ توحید کا مذہب ہے جو اہلِ اسلام و ایمانِ حقیقی ہیں"۔ (کشف حقائق و اسرار و دقائق صفحہ 15)

دوسری جگہ ایک تقریبی مثال سے یہ مسئلہ اور اس میں تین فرقوں کا بیان قدرے تفصیل سے لکھا ہے۔ فرماتے ہیں:

"ایک بادشاہ اعلیٰ جاہ آئینہ خانہ میں جلوہ فرما ہے جس میں تمام مختلف اقسام و اوصاف کے آئینے نصب ہیں۔ آئینوں کا تجربہ کرنے والا جانتا ہے کہ ان میں ایک ہی شئے کا عکس کس قدر مختلف طوروں پر متجلّی ہوتا ہے۔ بعض میں صورت خلاف نظر آتی ہے، بعض میں دھندلی، کسی میں سیدھی، کسی میں اُلٹی، ایک میں بڑی، ایک میں چھوٹی، بعض میں پتلی، بعض میں چوڑی، کسی میں خوشنما، کسی میں بھونڈی۔ یہ اختلاف آئینوں کی قابلیت کا ہوتا ہے، ورنہ وہ صورت جس کا اُس میں عکس ہے، خود واحد ہے ان میں جو حالتیں پیدا ہوئیں، متجلّی ان سے منزہ ہے۔ ان کے الٹے، بھونڈے، دُھندلے ہونے سے اس میں کوئی قصور نہیں ہوتا۔ وَلِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی۔ اب اس آئینہ خانہ کو دیکھنے والے تین قسم کے ہوئے:

اوّل: ناسمجھ بچے، انہوں نے گمان کیا کہ جس طرح بادشاہ موجود ہے یہ سب عکس بھی موجود ہیں کہ یہ بھی تو ہمیں ایسے ہی نظر آتے ہیں جیسے وہ۔ ہاں! یہ ضرور ہے کہ یہ اُس کے تابع ہیں، جب وہ اٹھتا ہے یہ سب کھڑے ہو جاتے ہیں، وہ چلتا ہے یہ سب چلنے لگتے ہیں، وہ بیٹھتا ہے یہ سب بیٹھ جاتے ہیں۔ تو عین یہ بھی اور وہ بھی مگر وہ حاکم ہے یہ محکوم اور اپنی نادانی سے یہ نہ سمجھا کہ وہاں تو بادشاہ ہی بادشاہ ہے۔ یہ سب اسی کے عکس ہیں۔ اگر اس سے جواب ہو جائے تو یہ سب صفحۂ ہستی سے معدومِ محض ہو جائیں گے، ہو کیا جائیں گے، اب بھی تو حقیقی وجود سے کوئی حصہ ان میں نہیں۔ حقیقۃً بادشاہ ہی موجود ہے

باقی سب پرتو کی نمود ہے۔

دوم: اہلِ نظر و عقلِ کامل، وہ اس حقیقت کو پہنچے اور اعتقاد بنائے کہ بے شک وجود ایک بادشاہ کیلئے ہے۔ موجود ایک ہی ہے۔ یہ سب ظل و عکس ہیں کہ اپنی حد ذات میں اصلاً وجود نہیں رکھتے اس تجلی سے قطع نظر کر کے دیکھو کہ پھر ان میں کچھ رہتا ہے؟ حاشا عدمِ محض کے سوا کچھ نہیں اور جب یہ اپنی ذات میں معدوم وفانی ہیں اور بادشاہ موجود۔ یہ اس نمود وجود میں اسی کے محتاج ہیں اور وہ سب سے غنی، یہ ناقص ہیں وہ تام۔ یہ ایک ذرہ کے بھی مالک نہیں اور وہ سلطنت کا مالک، یہ کوئی کمال نہیں رکھتے۔ حیات، علم، سمع، بصر، قدرت، ارادہ، کلام سب سے خالی ہیں اور وہ سب کا جامع۔ تو یہ اس کا عین کیونکر ہو سکتے ہیں؟ لاجرم یہ نہیں کہ وہ سب وہی ہیں بلکہ وہی وہ ہے اور یہ صرف اس تجلی کی نمود۔ یہی حق وحقیقت ہے اور یہی وحدۃ الوجود۔

سوم: عقل کے اندھے، سمجھ کے اوندھے اُن نا سمجھ بچوں سے بھی گئے گزرے گئے۔ انہوں نے دیکھا کہ جو صورت بادشاہ کی ہے وہی ان کی۔ جو حرکت وہ کرتا ہے یہ سب بھی۔ تاج جیسا اس کے سر پر ہے بعینہ ان کے سروں پر بھی۔ انہوں نے عقل و دانش کو پیٹھ دے کر بکنا شروع کیا کہ یہ سب بادشاہ ہیں اور اپنی سفاہت سے وہ تمام عیوب و نقائص جو نقصانِ قوابل کے باعث ان میں تھے، خود بادشاہ کو ان کا مورِد کر دیا کہ جب یہ وہی ہیں تو ناقص، عاجز، محتاج، الٹے، بھونڈے، بدنما، دھندلے کا جو عین ہے، قطعاً انہیں ذمائم سے متصف ہے۔ تَعَالَى اللّٰهُ عَمَّا يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا۔

انسان عکس ڈالنے میں آئینے کا محتاج ہے اور وجود حقیقی احتیاج سے پاک۔ وہاں جسے آئینہ کہئے وہ خود بھی ایک ظل ہے پھر آئینہ میں انسان کا صرف سطح مقابل کا عکس پڑتا ہے جس میں انسان کے صفات مثل کلام و سمع و بصر و علم و ارادہ وحیات وقدرت سے اصلاً نام کو بھی کچھ نہیں آتا لیکن وجود حقیقی عز جلالہ

کی تجلی نے اپنے بہت ظلال پر نفس ہستی کے سواان صفات کا بھی پرتو ڈالا۔ یہ وجوہ اور بھی ان بچوں کی نافہمی اور ان اندھوں کی گمراہی کا باعث ہوئیں اور جن کو ہدایت ہوئی وہ سمجھ لئے کہ

؎ یک چراغیست دریں خانہ کہ از پرتو آں
ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

انہوں نے صفات اور خود وجود کی دو قسمیں کیں:

1- حقیقی ذاتی کہ متجلی کیلئے خاص ہے۔

2- ظلی عطائی کہ ظلال کیلئے ہے۔

اور حاشا یہ تقسیم اشتراکِ معنی نہیں بلکہ محض موافقت فی اللفظ۔

یہ ہے حقِ حقیقت وعینِ معرفت وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ"۔ (فتاوی رضویہ جلد 6 صفحہ 133و134)

صفاتِ باری تعالیٰ:

صفاتِ باری تعالیٰ سے متعلق بھی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ مسلکِ عرفاء کی حقانیت کے قائل ہیں۔ ظاہر ہے کہ صوفیۂ کرام جب لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰہُ کے قائل ہیں تو صفاتِ باری کو غیر ذات یا لاعین لاغیر کیسے کہہ سکتے ہیں۔ جب سارا عالم ان کی نظر میں وجود واحد کا پرتو ہے تو خود صفاتِ باری کو لاعین کیونکر کہہ سکتے ہیں؟

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ جس ماحول میں کلام فرماتے تھے، وہ عوام اہلِ سنت اور اہلِ ظاہر کا ماحول تھا۔ اس مقام پر انہوں نے متکلمین کی طرح صفاتِ باری تعالیٰ کو لاعین ولاغیر ہی ہی بتایا ہے مگر المعتقد المنتقد (1270ھ) للعلامہ فضل الرسول البدایونی رحمۃ اللہ علیہ کے حاشیہ ''المعتمد المستند بناء نجاۃ الابد'' (۱۳۲۰ھ) میں مسلکِ صوفیہ کی کامل تحقیق فرمائی ہے اور آخر میں فرماتے ہیں:

فالّذی نعتقدہ فی دین اللّٰہ تعالیٰ انّ لہ عزّوجلّ صفات ازلیۃً قدیمۃ وھی الکمالات الحاصلۃ للذات بنفس الذات فلا مصداق لھا الا الذات فلھا حقیقۃ بھا ھی ھی وھی المعانی القائمۃ القدیمۃ

المقتضیات للذات و حقیقة بهاھی وما ھی الاعین الذات من دون زیادة اصلافا فهم و تثبت و ایاك ان تزلّ فان المقام مزلة الاقدام و باللہ التوفیق و به الاعتصام۔ (المعتمد المستند بناء نجاۃ الابد صفحہ 49 ملخصاً)

کلامِ الٰہی:

کلامِ الٰہی جو صفت باری ہے اس کے بارے میں امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تحقیق المعتمد المستند میں پھر ''الکشف شافیا حکم فونو جرافیا'' میں تحریر فرمائی ہے۔ حاشیۂ المعتقد المنتقد میں فرماتے ہیں:

''ہمارے نزدیک حق یہ ہے کہ نفسی اور لفظی کی تقسیم متاخرین نے معتزلہ کو خاموش کرنے اور پست عقول کو سمجھانے کی خاطر کی ہے جیسے کہ متاخرین نے متشابہات میں تاویل کی راہ اختیار فرمائی ہے اور مذہب وہی ہے جس پر ائمہ سلف ہیں کہ کلام باری واحد ہے جس میں اصلاً کوئی تعدُّد نہیں''۔

(المعتمد المستند بناء نجاۃ الابد صفحہ 36 مترجماً)

یہاں اور ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:

''وہی قرآن جو باری تعالیٰ کی صفت قدیمہ ہے جو اس کی ذاتِ پاک سے ازلاً ابداً قائم و مستحیل الانفکاک ہے وہی ہماری زبانوں سے متلو ہمارے کانوں سے مسموع ہمارے اوراق میں مکتوب ہمارے سینوں میں محفوظ ہے۔ نہ یہ کہ کوئی اور جداشئ قرآن پر دال ہے۔ نہیں نہیں یہ سب اسی کی تجلیاں ہیں، حقیقۃً وہی متجلی ہے بغیر اس کے کہ وہ ذاتِ الٰہی سے جدا ہو یا کسوتوں (لباسوں) کے حدوث سے اُس کے دامنِ قِدم پر کوئی داغ آیا ہو یا ان کے تکثُّر سے اس کی طرف تعدُّد نے راہ پایا ہو۔

دمبدم گر لباس گشت بدل
شخصِ صاحب لباس را چہ خلل

عارف باللہ سیدی عبد الوہاب شعرانی قدس سرہُ الربانی ''میزان الشریعۃ

الکبریٰ'' میں فرماتے ہیں:

قد جعله (اى المكتوب والمصحف) اهل السنة والجماعة حقيقة كلام الله تعالى و ان كان النطق به و اقعا منا فافهم واكثرمن ذلك لا يقال ويسطر فى كتاب۔

''اہلسنت نے قرآن مکتوب کو حقیقۃً کلام اللہ ہی قرار دیا ہے اگر چہ اس کا نطق ہماری زبان سے واقع ہے تو اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ اس سے زیادہ کچھ بولنے یا کسی کتاب میں لکھنے کی گنجائش نہیں''۔ (الکشف شافیا حکم فونوجرافیا صفحہ 26 تا 29 تلخیصاً)

حاشیۂ المعتقد المنتقد میں فرماتے ہیں:

عَرَفَ هٰذا مَنْ عَرَفَ و من لم يقدِرْ على فهمه فعليه ان يُّومن بالله وسائر صفاته من دون ادراكِ الكنه۔ (المعتمد المستند بناءنجاۃ الابد صفحہ 36)

اس پر ایمان لانا بھی ایک علم ہے۔ملفوظات میں حضرت شیخ اکبر اور اکابرِ فن کا قول نقل فرماتے ہیں:

''علم باطن کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اس کے علموں کی تصدیق کرے۔ اگر نہ جانتا ان کی تصدیق نہ کرتا۔ پھر حدیث بیان کرتے ہیں کہ اس حالت میں صبح کر کہ تو خود عالم ہے یا علم سیکھتا ہے یا علم کی باتیں سنتا ہے یا ادنیٰ درجہ یہ کہ علم سے محبت رکھتا ہے اور پانچواں نہ ہونا کہ ہلاک ہو جائے گا''۔ (الملفوظ حصہ 1 صفحہ 7 ملخصاً)

مقامِ مصطفیٰ:

مقامِ مصطفیٰ سے متعلق امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصانیف میں بہت کچھ لکھا ہے۔ اہل نظر کے یہاں حقیقتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام وجوب و امکان کے درمیان برزخِ کبریٰ ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

''جس طرح مرتبۂ وجود میں صرف ذاتِ حق ہے باقی سب اسی کے پرتو وجود سے موجود، یوں ہی مرتبۂ ایجاد میں صرف ایک ذاتِ مصطفیٰ ہے باقی سب پر اسی کے عکس کا فیض وجود۔ مرتبۂ کون میں نورِ احدی آفتاب ہے اور

تمام عالم اس کے آئینے اور مرتبہ تکوین میں نورِ احمدی آفتاب اور سارا جہان اس کے آبگینے۔ وَفِیْ ھٰذَا اَقُوْلُ۔

خالق کُلِّ الوریٰ ربّک لا غیرہ
نورک کلّ الوری غیرك لم لیس لن

ای لم یوجد ولیس موجودا ولن یوجد ابدا۔

نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا عالم جس طرح اپنی ابتدائے وجود میں محتاج تھا کہ وہ نہ ہوتا تو کچھ نہ بنتا۔ یوں ہی ہر شئے اپنی بقا میں اس کی دست نگر ہے۔ آج اس کا قدم درمیان سے نکال لیں تو عالم دفعۃً فنائے محض ہو جائے۔

؎ وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو
جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے''

(صلاۃ الصفافی نور المصطفیٰ 59 تا 61 ملخصاً)

اسی مضمون کو قدرے اختصار کے ساتھ کشف ''حقائق واسرار و دقائق'' میں لکھا ہے اور ''سلطنۃ المصطفیٰ فی ملکوت کل الوریٰ'' میں مزید تفصیل کا حوالہ دیا ہے۔ ''صِلاتُ الصَّفاء فی نور المصطفیٰ'' میں بھی علمائے ربانیین وعرفائے کاملین کے بعض اقوال نقل فرمائے ہیں اور بڑے انوکھے انداز میں حدائق بخشش میں اظہار فرمایا ہے:

؎ ممکن میں یہ قدرت کہاں واجب میں عبدیت کہاں
حیراں ہوں یہ بھی ہے خطا، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں
حق یہ کہ ہیں عبد اللہ اور عالمِ امکاں کے شاہ
برزخ ہیں ہو سرّ خدا، یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں[1]

1- حقیقتِ محمدیہ علیہ التحیۃ والثناء علتہ ممکنات اور ذاتِ واجب الوجود کے درمیان برزخ اور واسطہ ہے۔ اس مسئلہ کو شاعرانہ لطافت کے ساتھ بیان کرنے کی کامیاب کوشش کی گئی ہے اور فرمایا گیا ہے کہ ہم نے موجود کی دو ہی قسمیں جانیں:
1- واجب۔
2- ممکن۔
ذاتِ رسالت کو ہم کس میں شامل کریں۔ اگر واجب کہیں (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

محمد مظہرِ کامل ہے حق کی شان عزت کا
نظر آتا ہے اس کثرت میں کچھ انداز وحدت کا
یہی ہے اصلِ عالم مادہ ایجادِ خلقت کا
یہاں وحدت میں برپا ہے عجب ہنگامہ کثرت کا

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) تو واجب بندہ نہیں ہوسکتا اور مصطفیٰ ﷺ زندہ ہیں اور اگر ممکن کہیں تو ممکنات میں تصرفات واختیارات کی وہ قدرت کہاں جو ہم مصطفیٰ ﷺ میں دیکھ رہے ہیں۔ انہوں نے چشم زدن میں زمین سے آسمان اور آسمان سے لامکاں تک سیر کی پھر اسی وقت لامکاں سے زمین تک واپس بھی آگئے۔ اس عالم امکان میں ایک سے ایک ارباب فضل وکمال اور ارباب حکومت واقتدار رونما ہوئے لیکن یہ قدرت اور یہ کمال کسی میں نہ تھا۔ مصطفیٰ ﷺ نے انگلی کے اشارے سے چاند دوٹکڑے کر دیا۔ سورج کو روک دیا۔ ان کی مرضی پر ڈوبا ہوا سورج واپس آیا۔ ان کی انگلیوں سے پانی کا چشمہ رواں ہوا جس سے پورا ایک لشکر سیراب ہوا۔ نہ جانے کتنے تصرفات و اختیارات ہیں جو ان کی ذات سے چشمِ عالم نے ملاحظہ کئے، کسی اور ممکن میں دیکھے نہ گئے۔ ایسے بیّن اور عظیم تفاوت کے باوجود انہیں ممکن کہیں تو کیسے کہیں؟ عقل حیران ہے کہ اگر یہ کہیں کہ وہ واجب بھی نہیں، ممکن بھی نہیں تو یہ بھی خطا اور غلط ہے۔ وہ واجب نہیں تو ممکن ضروری ہیں۔ اس لئے حق یہ ہے کہ وہ خدا کے بندے اور ممکن ہونے کے ساتھ علم امکان کے بادشاہ ہیں نہ تو وہ خدا ہیں نہ عالمِ امکان یعنی عام ممکنات میں سے ہیں بلکہ وہ اللہ کے راز سربستہ اور خالق ومخلوق کے درمیان واسطہ اور برزخ ہیں۔

پہلے شعر میں ''یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں'' کا اشارہ ممکن اور واجب کی طرف ہے یعنی ان کی ذات سے ممکن و واجب دونوں کی نفی کرنا خطا ہے کیوں کہ وہ واجب قطعاً نہیں اور ممکن ضرور ہیں اگر چہ قدرت واختیار میں سارے ممکنات سے برتر وبالا ہیں۔

دوسرے شعر میں عالم امکان سے مراد عام ممکنات ہیں جیسے ہم کہیں کہ سکندر سارے انسانوں کا بادشاہ اور پوری دنیا کا حکمران تھا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ خود دنیا سے باہر اور انسانوں سے ماورا کوئی ہستی تھا بلکہ مراد یہی ہے کہ وہ تمام انسانوں کا بادشاہ ہونے کے باعث ان عام انسانوں کی صف میں شامل نہ تھا۔ اس میں اور دیگر انسانوں میں بیّن فرق تھا۔ سارے انسان اس کے سامنے ملکیت اور رعایا کی حیثیت رکھتے تھے اور وہ ان کے سامنے بادشاہ اور فرماں روا کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس لئے اس کو ان محکوم انسانوں کی فہرست میں لانا درست نہیں۔ اگر چہ بذات خود وہ بھی انسان ہی تھا۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

غور کیجئے کس قدر ذوق و عرفان سے لبریز اور حقیقت و معرفت سے بھرپور کلام فرمایا۔

مزید فرماتے ہیں:

کوئی کیا جانے کہ کیا ہو — عقلِ عالم سے ورا ہو
کنزِ مکتومِ ازل میں — دُرِّ مکنونِ خدا ہو
سب سے اول سب سے آخر — ابتدا ہو انتہا ہو
تھے وسیلے سب نبی، تم — اصلِ مقصودِ ہدا ہو
سب تمہاری ہی خبر تھے — تم مؤخر مبتدا ہو

''اِمام اَحمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین'' (۱۳۰۵ھ) وغیرہ رسائل میں احادیث کریمہ اور اقوالِ علماء سے ثابت فرمایا ہے کہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اول و آخر، ظاہر و باطن اور ہر چیز کے جاننے والے ہیں۔ حضرت شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مدارج النبوۃ کے دیباچہ میں بھی اسے ذکر کیا ہے۔

علمِ مصطفیٰ:

اس بارے میں بھی اِمام اَحمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے خاص صوفیہ و عرفاء کا مسلک اختیار فرمایا ہے وہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام ماکان و مایکون کا عالم مانتے ہیں اور اصحابِ مَعرفت سے اس پر بہت سے دلائل اپنی تصانیف خالص الاعتقاد، الفیوضات الملکیہ لمحبّ الدولۃ المکّیہ وغیرہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ سابقہ) اب یہ بات واضح ہوگئی کہ دوسرے شعر میں ''عالم امکان'' سے مراد عام ممکنات ہیں اور دوسرے شعر میں ''یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں'' کا اشارہ عام ممکنات اور الہ و خدا کی طرف ہے، شعر اول میں مذکور لفظ ممکن و واجب کی طرف نہیں یعنی جب وہ عام ممکنات کے بادشاہ اور عالمِ امکان کے فرماں روا ہوئے تو وہ ان محکومین اور اپنی رعایا کی صف میں شامل نہ ہوئے اور جب وہ خدا کے بندے اور ممکن ہوئے تو خدا نہ ہوئے۔ حاصل یہ کہ وہ عام ممکنات میں بھی نہیں اور خدا بھی نہیں بلکہ دونوں کے درمیان برزخ و واسطہ ہیں۔ سننے میں آیا ہے کہ کچھ عناد پرور اور متعصب قسم کے جاہل افراد اعتراض و استہزاء کے ساتھ ان شعروں کا عجب غلط سلط مطلب بیان کرتے ہیں۔ انہیں اپنے اندر ایک متبحر عالم اور بلند پایہ عارف کا شعر سمجھنے کی صلاحیت بھی پیدا کرنی چاہیے۔ یہاں علم و فن میں دستگاہ اور شعر و سخن سے تعلق کے ساتھ ذوقِ لطیف اور پاسِ انصاف کی بھی سخت ضرورت ہے۔ ۱۲
محمد اَحمد مصباحی بھیروی

میں پیش کرتے ہیں۔ خالص الاعتقاد میں فرماتے ہیں:

''ان تمام اجماعات کے بعد ہمارے علماء میں اختلاف ہوا کہ بیشمار علوم غیب جو مولیٰ عزوجل نے اپنے محبوب اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائے، وہ روزِ ازل سے یومِ آخر تک تمام کائنات کو شامل ہیں جیسا کہ عموم آیات واحادیث کا مفاد ہے یا ان میں تخصیص ہے؟ بہت اہلِ ظاہر جانبِ خصوص گئے ہیں اور عام علمائے باطن اور ان کے اتباع سے بکثرت علماء ظاہر نے آیات واحادیث کو ان کے عموم پر رکھا ہمارا مختار قولِ اخیر ہے جو عام عرفائے کرام وبکثرت اعلام کا مسلک ہے۔ اس بارے میں بعض آیات واحادیث واقوالِ ائمہ فقیر کے رسالے ''انباء المصطفیٰ'' میں ملیں گے اور ''اللؤلؤ المکنون فی علم البشیر ما کان وما یکون'' (۱۳۱۸ھ) وغیرہ رسائلِ فقیر میں بحمد اللہ تعالیٰ کثیر ووافر ہیں اور اقوالِ اولیاء کرام وعلمائے عظام کی کثرت تو اس درجہ ہے کہ ان کے شمار کو ایک دفترِ عظیم درکار ہے''۔ (خالص الاعتقاد صفحہ 26و27 تلخیصاً)

بہت سے دلائل واقوالِ ائمہ پیش کرنے کے بعد آخر میں فرماتے ہیں:

''یہ کہنا آسان تھا کہ احمد رضا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علمِ غیب کا قائل ہو گیا اور یہ عقیدہ کفر کا ہے مگر نہ دیکھا کہ احمد رضا کی جان کن کن پاک مبارک داموں سے وابستہ ہے۔ احمد رضا کا سلسلۂ اعتقاد علماء، اولیاء، ائمہ، صحابہ سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ رب العلمین تک مسلسل ملا ہوا ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ''۔ (خالص الاعتقاد صفحہ 51)

اِمام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ یہ راسخ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آقائے کائنات علیہ الصلوات والتحیات اپنے امتیوں کے دلی ارادوں، نیتوں اور عزائم وخطرات سب سے آگاہ ہیں۔ اس میں سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ووفات کا کچھ فرق نہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس مضمون کو متعدد مقامات پر اکابر علماء کے حوالہ سے ذکر فرمایا ہے۔ اسی لئے آپ اپنی شاعری میں خاص وارداتِ قلب بیان کرتے ہیں۔ محض شاعرانہ مبالغہ آمیزی اور مضمون بندی کو بارگاہِ رسالت میں جرمِ عظیم

قرار دیتے ہیں۔

شیر بیشۂ اہل سنت حضرت مولانا حشمت علی خان لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کے برادرِ خورد مولانا محبوب علی خاں رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی کلام ایسا نہیں جو صرف قال ہو، حال نہ ہو بلکہ جو کچھ فرمایا، سراسر حال ہے۔ یہ واقعہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور اس کے دوسرے دیکھنے والے بھی بحمدہٖ تعالیٰ موجود ہیں۔ واقعہ یوں ہے کہ ایک حافظ صاحب جو حضور پرنور امامِ اہلسنّت رحمۃ اللہ علیہ کے مخلصین میں سے تھے، کچھ کلام بغرضِ اصلاح سنانے کیلئے حاضر ہوئے۔ اجازت عطا ہوئی، سنانا شروع کیا۔ درمیان میں اس مضمون کے اشعار تھے کہ یارسول اللہ! میں حضور کی محبت میں دن رات تڑپتا ہوں۔ کھانا، پینا، سونا سب موقوف ہوگیا ہے۔ کسی بھی وقت مدینۂ طیبہ کی یاد دل سے علیحدہ نہیں ہوتی۔

اعلیٰ حضرت قبلہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: حافظ صاحب! اگر جو کچھ آپ نے لکھا ہے، یہ سب واقعہ ہے تو اس میں شک نہیں کہ آپ کا بہت بڑا مرتبہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں آپ فنا ہو چکے ہیں اور اگر محض شاعرانہ مبالغہ ہے تو خیال فرمایئے جھوٹ کون سی سرکار میں؟ جنہیں دلوں کے ارادوں، خطروں، قلوب کی خواہشوں، نیتوں پر اطلاع ہے، جن سے اللہ تعالیٰ نے ماکان و مایکون کا کوئی ذرہ نہ چھپایا۔ اس کے بعد اس قسم کے اشعار کٹوا دیئے''۔

اختیاراتِ مصطفیٰ:

اس بارے میں امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ عرفائے کاملین کے مسلکِ راست پر سختی سے گامزن ہیں۔ فرماتے ہیں:

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے خلیفۂ اعظم ہیں کہ حق جل وعلا نے اپنے کرم کے خزانے، اپنی نعمتوں کے خوان سب ان کے ہاتھوں کے مطیع، ان کے ارادے کے زیرِ فرمان کر دیے۔ جسے چاہتے ہیں، عطا فرماتے ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ان مباحثِ قدسیہ کے جانفزا بیان فقیر کے رسالہ ''سلطنۃ المصطفیٰ فی ملکوت کل الوریٰ'' (۱۲۹۷ھ) میں بکثرت ہیں۔ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔

(الامن والعلیٰ لناعتی المصطفیٰ بدافع البلا صفحہ 87)

عارف باللہ عاشق رسول اللہ حضرت شیخ محقق مولانا عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ بھی فرما چکے ہیں:

معلوم می شود کہ کار ہمہ بدست ہمت وکرامت
ہرچہ خواہد ہر کرا خواہد باذن پروردگار خود بدہد!
اگر خیریتِ دنیا و عقبیٰ آرزو داری
بدرگاہش بیاو ہرچہ می خواہی تمنا کن

(اشعۃ اللمعات جلد 1 صفحہ 396)

امام احمد رضا علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

مالکِ کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں
دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ ہیں

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محبّ میں نہیں میرا تیرا

وہ متعدد اکابر سے اسے نقل فرماتے اور اس پر اعتقاد رکھتے ہیں کہ جو شخص ہر خیال میں اپنے آپ کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک نہ سمجھے، وہ سنتِ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حلاوت سے آشنا نہ ہو۔

(الامن والعلیٰ لناعتی المصطفیٰ بدافع البلا صفحہ 92)

اسی عقیدے کے تحت عرض کرتے ہیں:

سرور کہوں کہ مالک و مولیٰ کہوں تجھے
باغِ خلیل کا گلِ زیبا کہوں تجھے
تیرے تو وصف عیب تناہی سے ہیں بری
حیراں ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے

لیکن رضا نے ختم سخن اس پہ کر دیا
خالق کا بندہ خلق کا آقا کہوں تجھے

وہ عالمِ آخرت میں ان کی سیادت و حاجت روائی کا منظر آج سے زیادہ عیاں طور پر دیکھ رہے ہیں۔فرماتے ہیں:

ماوشما تو کیا کہ خلیلِ جلیل کو
کل دیکھنا کہ ان سے تمنا نظر کی ہے

نیز فرماتے ہیں:

آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ ان سے
کل نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

اِمام اَحمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں وہ لوگ پیدا ہو چکے تھے جو پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کمالات میں بے جا کلام کرتے اور بے ادبی و گستاخی سے پیش آتے۔اس لئے اِمام اَحمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کلامی و تردیدی تصانیف میں سرکارِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کے علوم و اختیارات اور فضائل و کمالات پوری قوت کے ساتھ واشگاف کر کے بیان کئے۔اگرچہ یہ کتابیں علمی رنگ لئے ہوئے ہیں مگر اِمام اَحمد رضا رحمۃ اللہ علیہ اپنے مسلک کے مطابق اولیاء و عرفاء کے حقائق و معارف بھی پیش کرتے جاتے ہیں۔شاید ہی ایسی ان کی کوئی کتاب ذوق وعرفان سے خالی ملے۔

یہاں مَیں اِمام اَحمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کا ایک حقیقت آموز کلام پیش کرتا ہوں جو علمی بھی ہے اور عرفانی بھی اور بارگاہِ رسول میں ان کا حق آشنا عقیدہ واضح کرنے کیلئے کافی و وافی بھی۔ فرماتے ہیں:

میرے ایک وعظ میں ایک نفیس نکتہ مجھ پر القا ہوا تھا، اُسے یاد رکھو کہ جملہ فضائلِ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے معیارِ کامل ہے۔وہ یہ کہ کسی مُنعم کا دوسرے کو کوئی نعمت نہ دینا چار ہی طور پر ہوتا ہے۔

1- دینے والے کو اُس نعمت پر دسترس نہیں۔

2- دے سکتا ہے مگر بخل مانع ہے۔

3- جسے نہ دی وہ اس کا اہل نہ تھا۔

4- وہ اہل بھی ہے مگر اس سے زائد اُسے کوئی اور محبوب ہے، اُس کیلئے بچا رکھی۔

الوہیت ہی وہ کمال ہے کہ زیر قدرت ربانی نہیں۔ باقی تمام کمالات تحتِ قدرتِ الٰہی ہیں اور اللہ تعالیٰ اکرم الاکرمین، ہر جواد سے بڑھ کر جواد اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہر فضل و کمال کے اہل اور حضور سے زائد اللہ عزوجل کو کوئی محبوب نہیں۔ لازم ہے کہ الوہیت کے نیچے جتنے فضائل، جس قدر کمالات، جتنی نعمتیں، جس قدر برکات ہیں، مولیٰ عزوجل نے سب اعلیٰ وجہِ کمال پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائیں۔ (الملفوظ حصہ 2 صفحہ 40)

اسی لئے عارفِ ربانی حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ "مدارج النبوۃ" میں فرماتے ہیں:

ہر نعمتے کہ داشت خدا شد بر وتمام

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

وہ خدا نے ہے مرتبہ تجھ کو دیا، نہ کسی کو ملے نہ کسی کو ملا
کہ کلام مجید نے کھائی شہا تیرے شہر و کلام و بقا کی قسم

زمین و زماں تمہارے لئے ۔۔۔ مکین و مکاں تمہارے لئے
چنین و چناں تمہارے لئے ۔۔۔ بنے دو جہاں تمہارے لئے
اَصالتِ کل، اِمامتِ کل ۔۔۔ سِیادتِ کل، اِمارتِ کل
حکومتِ کل، ولایتِ کل ۔۔۔ خدا کے یہاں تمہارے لئے

تعظیمِ رسول:

جب دل میں محبوب کی عظمت اور آقا کی محبت جلوہ آرا ہو تو دل تعظیم کیلئے خود ہی بے قرار ہوگا۔ یہی عشق و عرفان کا تقاضا ہے اور یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرام سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے آبِ وضو کیلئے اس طرح ٹوٹ پڑتے تھے گویا اس تبرک کیلئے جنگ ہو جائے گی۔ موئے مبارک کو حرزِ جان بنا کر رکھتے۔ گھمسان کی لڑائی میں بھی اگر کھو جائے تو اپنی جان سے بے پروا ہو کر

اس کی تلاش میں لگ جائیں اور جب تک مل نہ جائے، دم نہ لیں۔

تمام عرفاء و اولیاء اسی اعتقادِ عظمت و تعظیم کے ساتھ اپنی پوری زندگیوں میں کار بند ہے۔ اِمام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے تعظیمِ رسول کے پیش نظر مدینۂ طیبہ میں کبھی سواری نہ کی۔ اس کیلئے انہیں کسی دلیل کی ضرورت نہ تھی۔ بس یہی دلیل کافی تھی کہ خدا اور رسول نے اس تعظیم سے منع نہیں فرمایا ہے۔

اِمام اَحمد رضا فرماتے ہیں:

''بوَجہِ اطلاقِ آیات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم جس طریقے سے کی جائے گی، حَسن و محمود رہے گی اور خاص خاص طریقوں کیلئے ثبوت جُداگانہ درکار نہ ہوگا۔ ہاں! اگر کسی خاص طریقہ کی برائی بالتخصیص شرع سے ثابت ہو جائے گی تو وہ بے شک ممنوع ہوگا جیسے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کرنا یا جانور ذبح کرتے وقت بجائے تکبیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لینا۔ اسی لئے علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ ''جوہر منظّم'' میں فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم تمام اقسامِ تعظیم کے ساتھ جن میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُلوہیت میں شریک کرنا نہ ہو، ہر طرح امر مستحسن ہے، اُن کے نزدیک جن کی آنکھوں کو اللہ تعالیٰ نے نور بخشا ہے''۔

(اقامۃ القیامہ علی طاعن القیام لنبی تہامہ صفحہ 29 ملخصاً)

بارگاہِ رسالت میں حاضری کا ادب کوئی اِمام اَحمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے قلبِ حق آشنا سے پوچھے۔ دیکھئے، وہ کیا فرماتے ہیں:

''جب حرم محترم مدینہ میں داخل ہو احسن یہ ہے کہ سواری سے اتر پڑے روتا، سر جھکائے، آنکھیں نیچی کئے چلے، ہو سکے تو برہنہ پائی بہتر بلکہ

جائے سراست اینکہ تو پامی نہی
پائے نہ بنی کہ کجامی نہی

جب درِ مسجد پر حاضر ہو، صلوٰۃ و سلام عرض کرکے قدرے توقف کرے گویا سرکار صلی اللہ علیہ وسلم سے اذنِ حضوری کا طالب ہے۔ اس وقت جو ادب و تعظیم

واجب ہے، مسلمان کا قلب خود واقف ہے۔ زنہار زنہار اس مسجدِ اقدس میں کوئی حرف چلّا کر نہ کہے۔ یقین جان کہ وہ مزارِ اعطر وانور میں بحیاتِ ظاہری دنیاوی حقیقی ویسے ہی زندہ ہیں جیسے پیش از وفات تھے۔ ائمہ دین فرماتے ہیں: حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ایک ایک قول وفعل بلکہ دل کے خطروں پر مطلع ہیں۔

اب وہ وقت آیا کہ دل کی طرح رخ بھی اس پاک جالی کی طرف ہوگیا جو اللہ تعالیٰ کے محبوب عظیم الشان کی آرام گاہِ رفیع المکان ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ گردن جھکائے، آنکھیں نیچی کیے، لرزتا، کانپتا، بید کی طرح تھرتھراتا، ندامتِ گناہ سے عرقِ شرم میں ڈوبا قدم بڑھا۔ خضوع ووقار، خشوع وانکسار کا کوئی وقیقہ فرو گذاشت نہ کر۔ سو اسجدہ وعبادت کے جو بات ادب واجلال میں اکمل ہو بجالا۔ زنہار جالی شریف کے بوسہ ومس سے دور رہ کہ خلافِ ادب ہے۔ اب نہایت ہیبت ووقار کے ساتھ مجرا وتسلیم بجالا۔ بہ آواز حزیں وصورت درد آگیں ودل شرمناک وجگرِ صد چاک معتدل آواز سے، نہ نہایت نرم وپست نہ بہت بلند وسخت عرض کر:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَ بَرَكَاتُهٗ
اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ
اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا خَيْرَ خَلْقِ اللّٰهِ
اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا شَفِيْعَ الْمُذْنِبِيْنَ
اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَعَلٰى اٰلِكَ وَ اَصْحَابِكَ اَجْمَعِيْنَ"۔

(النیرۃ الوضیہ شرح الجوہرۃ المضیہ صفحہ 44 تا 46 ملخصاً)

"صحابہ کرام کے پاک وصاف عرفانی وایمانی دلوں میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس درجہ محبت وعظمت تھی کہ جانور کو حضور کا سجدہ کرتے دیکھ کر بے قرار ہو گئے۔ عرض کیا: سرکار! جانور تو آپ کو سجدہ کریں اور ہم محروم رہیں۔ کیا ہمیں اجازت نہ ہوگی؟ ارشاد ہوا: میری شریعت میں غیر خدا کا سجدہ روا نہیں اگر

ہوتا تو عورت کو حکم دیتا کہ اپنے شوہر کا سجدہ کرے''۔

(الزبدۃ الزکیہ فی تحریم سجود التحیہ ملخصا مفہوما)

کبھی کبھی امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ پر بھی صحابۂ کرام جیسی کیفیت شوق طاری ہوتی ہے لیکن پاس شریعت و طریقت اور افشائے ذوق و حقیقت دونوں کو جس حسن و خوبی سے نبھاتے ہیں، وہ اہل کمال ہی کا حصہ ہے۔ فرماتے ہیں:

پیش نظر وہ نو بہار سجدے کو دل ہے بیقرار
روکیے سر کو روکیے، ہاں یہی امتحان ہے

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

نہ ہو آقا کو سجدہ، آدم و یوسف کو سجدہ ہو
مگر سدِ ذرائع داب ہے اپنی شریعت کا

دل کا تقاضا اور بڑھتا ہے تو یوں تسلی دیتے ہیں:

اے شوقِ دل! یہ سجدہ گر اُن کو روا نہیں
اچھا وہ سجدہ کیجیے کہ سر کو خبر نہ ہو

یہ کیفیت شوق اسی کے قلب میں پیدا ہو سکتی ہے جو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبۂ کمال و جلال سے اچھی طرح آشنا ہو اور جس کا دل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عظمت کے نور سے لبریز ہو، وہ دل جس میں آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے اکرام و تعظیم کی وہ تڑپ پیدا ہو چکی ہو، جو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم میں پائی جاتی تھی اور وہ وارفتگیِ شوق جس کے نتیجہ میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر تعظیم و تکریم بجالاتے یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کیلئے سجدہ کی اجازت طلب کرتے اور اگر حضرت یوسف و یعقوب علیہما السلام کی شریعت کی طرح شریعتِ مصطفیٰ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں بھی سجدۂ تعظیمی کا جواز ہوتا تو یقیناً صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم یہ تعظیم بھی عملاً کرنے کے بعد ہی سکون پاتے۔ جو دل عظمتِ سرکار سے بالکل خالی ہو وہ تو اس قسم کے تصورات کو بھی شرک سمجھے گا اور جس دل میں عظمت اُس کمال پر نہ پہنچی ہو، ہرگز اس میں تعظیم کی وہ تڑپ نہ ہو گی جو خاص اہلِ عشق و عرفان کا حصہ ہے۔

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی بیتابیٔ دل ہمیں ان کے مقامِ عشق کا پتہ دیتی ہے اور ان کے جذبۂ تعظیم کی عظمت سے آگاہ کرتی ہے۔ عرفان و تصوف میں مرتبۂ کمال کے بغیر حبیبِ ربُ العلمین صلی اللہ علیہ وسلم سے اس درجہ تعلقِ خاطر ممکن نہیں۔ امید ہے کہ اربابِ دانش کیلئے میرے یہ اشارات کافی ہوں گے۔



باب دوم:

تصوّفِ عملی

شاید آپ کو احساس نہ ہوا ہو کہ میں تصوّفِ اعتقادی سے آگے بڑھ کر تصوّف علمی کا ذکر چھیڑ چکا ہوں۔ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے ذوق وکیف کی یہ جو حالتیں ذکر ہوئیں، سراسر عملی ہیں۔ اعتقاد میں بھی عملِ قلب ہوتا ہے مگر خاص تعظیم واجلال میں جو عملِ قلب ہے وہ محض اذعان واعتقاد سے زائد ایک خالص عمل ہے۔ چونکہ سرکار مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء سے متعلق تصوّف اعتقادی کا ذکر تھا جس میں عقیدۂ تعظیم بھی شامل تھا تو ضمناً اعتقاد کے بعد عمل کا بھی ذکر کر دیا تا کہ یہ بحث وہیں مکمل ہو جائے۔

اب اتمامِ کلام کیلئے اسی نوع کا ایک اور عمل یہیں ذکر کرتا چلوں، وہ ہے:

عشقِ رسول:

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی اس کیفیتِ دل و جان سے عالم آگاہ ہے۔ ان کے عشق کا چرچا غیر کی محفل میں بھی ہے۔ انہوں نے عشق کا وہ درس دیا کہ دنیا سیکھا کرے اور عملاً عشقِ رسول کو اس طرح پیش کیا کہ دنیا دیکھا کرے۔ اس باب میں ان کی کون کون سی ادا یاد کی جائے اور اس کی کتنی صورتیں بیان کی جائیں۔ اس عشق کے جلوے ان کی نثر میں بھی ملتے ہیں، نظم میں بھی۔ یہاں نظم سے چند اشعار اور نثر سے ایک اقتباس پر اکتفاء کی جاتی ہے۔

وہ بات پھر آپ اپنے ذہنوں میں تازہ کرلیں کہ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی شاعری سراسر حال ہے۔ ان کا کلام وارداتِ قلب کا اظہار ہے۔ وہ بارگاہِ رسول میں جھوٹے احوال دکھانے سے ہر طرح متنفر و بیزار ہیں۔ وہ اپنے آقا کو اپنی ہر کیفیت وحقیقت سے آگاہ وخبردار جانتے ہیں۔

غالب نے عشقِ مجازی میں کہا تھا:

؎ جس کو ہو جان و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں

مگر عشق کا جمال وکمال عشقِ مجازی میں کہاں؟ اس لئے حقیقی عشق والے نے یوں کہا:

؎ پھر کے گلی گلی تباہ ٹھوکریں سب کی کھائے کیوں
دل کو جو عقل دے خدا تیری گلی سے جائے کیوں
رخصتِ قافلہ کا شورغش سے ہمیں اُٹھائے کیوں
سوتے ہیں ان کے سایہ میں کوئی ہمیں جگائے کیوں

وہ دردِ عشق ہی میں لطفِ دوا پاتے ہیں:

؎ جان ہے عشقِ مصطفیٰ روز فزوں کرے خدا
جس کو ہو درد کا مزہ نازِ دوا اٹھائے کیوں
سنگِ درِ حضور سے ہم کو خدا نہ صبر دے
جانا ہے سر کو جا چکے، دل کو قرار آئے کیوں

وہ داغِ عشق کو قبر کی تاریکیوں کا اُجالا سمجھتے ہیں:

؎ لحد میں عشقِ رخِ شہ کا داغ لے کے چلے
اندھیری رات سنی تھی چراغ لے کے چلے

اس کے بعد بھی وہ اپنے عشق کا محاسبہ کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک ان کے عشق میں ابھی کمی ہے۔ فرماتے ہیں: مجنوں کا عشق مجازی تھا تو سگِ دیارِ لیلیٰ کے قدم چومے۔ کیا ایسا نصیب تیرا بھی ہے؟

؎ رضا کسی سگِ طیبہ کے پاؤں بھی چومے
تم اور آہ! کہ اتنا دماغ لے کے چلے

مگر حقیقت یہ ہے کہ اِمام اَحمد رضا رحمۃ اللہ علیہ دیارِ مدینہ سے ہر آنے والے مومن کا پاؤں چومتے خواہ وہ ان سے کتنا ہی فروتر ہو اور اگر کوئی بتاتا کہ دریار پر حاضر نہ ہوا، حرم مکہ ہی سے واپس چلا آیا تو اس سے مُنہ پھیر لیتے۔ خود آقا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مَنْ حَجَّ وَلَمْ یَزُرْنِیْ فَقَدْ جَفَانِیْ۔

''جس نے حج کیا اور میری (قبر کی) زیارت کو نہ آیا تو اس نے مجھ پر زیادتی کی، میرے ساتھ بد خلقی و بدسلوکی کی''۔

جس نے محبوب آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بدسلوکی کی ہو اس کے ساتھ ایک سچا عاشق و محبّ خندہ روئی سے کیسے پیش آسکتا ہے؟

اِمام اَحمد رضا علیہ الرحمۃ آتشِ عشق کو آتشِ جہنم سے نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

اے عشق ترے صدقے جلنے سے چھُٹے سستے
جو آگ بجھا دے گی وہ آگ لگائی ہے

سوزِ دروں سے ان کا دل سُلگتا تھا اور خاص قلوبِ عرفاء و اولیاء کی طرح دل سوزِ عشق سے کباب ہو چکا تھا۔ اسی لیے فرمایا:

اے دل! یہ سُلگنا کیا، جلنا ہے تو جل ہی اُٹھ
دم گھٹنے لگا ظالم، کیا دھونی رمائی ہے

مزید فرمایا:

تو نے تو کر دیا طبیب آتشِ سینہ کا علاج
آج کے دودِ آہ میں بوئے کباب آئی کیوں

وہ اپنے آقا کے سوا کسی کی دریوزہ گری کیلئے قطعاً رضا مند نہیں۔ ان کی غیرتِ عشق ملاحظہ ہو:

تیرے ٹکڑوں سے پلے غیر کی ٹھوکر پہ نہ ڈال
جھڑکیاں کھائیں کہاں چھوڑ کے صدقہ تیرا

جن کے ٹکڑوں سے پلے ان کے سوا کوئی نظروں پہ چڑھتا ہی نہیں۔ مانگیں تو کس سے مانگیں؟ فرماتے ہیں:

تیرے قدموں میں جو ہیں غیر کا مُنہ کیا دیکھیں
کون نظروں میں جچے دیکھ کے تلوا تیرا
کس کا مُنہ تکیئے کہاں جایئے، کس سے کہیئے
تیرے ہی قدموں پہ مٹ جائے یہ پالا تیرا

اپنے آقا کی شان اور ان کی عطا پر اذعان دیکھئے:

کون دیتا ہے دینے کو مُنہ چاہئے
دینے والا ہے سچا ہمارا نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)
غمزدوں کو رضا مژدہ دیجے کہ ہے
بیکسوں کا سہارا ہمارا نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)

فریاد امتی جو کرے حالِ زار میں
ممکن نہیں کہ خیرِ بشر کو خبر نہ ہو

علمِ مصطفیٰ کے بارے میں یہ صرف اعتقاد ہی نہیں عمل بھی ہے۔ وہ فریاد کر چکے ہیں اس یقین کے ساتھ کہ آقا کو خبر ہے:

کانٹا مِرے جگر سے غمِ روز گار کا
یوں کھینچ لیجئے کہ جگر کو خبر نہ ہو

شہرِ رسول سے ان کی محبت کا علم دیدنی ہے۔ فرماتے ہیں:

عاصی بھی ہیں چہیتے یہ طیبہ ہے زاہدو!
مکہ نہیں کہ جانچ جہاں خیر و شر کی ہے
ہاں ہاں رہِ مدینہ ہے غافل ذرا تو جاگ
او پاؤں رکھنے والے! یہ جا چشم و سر کی ہے
اللہ اکبر اپنے قدم اور یہ خاکِ پاک
حسرت ملائکہ کو جہاں وضعِ سر کی ہے

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ اکابر علماء رحمہم اللہ کے درمیان ایک بڑے معرکۃ الآرا مسئلہ کا فیصلہ بالکل عارفانہ و عاشقانہ تیور میں فرماتے ہیں جس کے بعد مخالف کیلئے کچھ اور بولنے کی گنجائش ہی نہیں رہ جاتی۔ فرماتے ہیں:

طیبہ نہ سہی افضل، مکہ ہی بڑا زاہد!
ہم عشق کے بندے ہیں کیوں بات بڑھائی ہے

اس بارگاہ میں زخمِ دل اور دل کو بھی چھکنے پھڑکنے کی اجازت نہیں دیتے، انہیں بھی

درسِ ادب دے رہے ہیں۔

دیکھ! او زخمِ دل! آپے کو سنبھال
پھوٹ بہتے ہیں ٹپکنے والے
ارے! یہ جلوہ گہِ جاناں ہے
کچھ ادب بھی ہے پھڑکنے والے

پھر اپنے قدم پہ نظر جاتی ہے تو فرماتے ہیں:

؎ حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا
ارے سر کا موقع ہے او جانے والے

ان کی کسرِ نفسی اور آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ورحمت کا یقین دونوں یکجا ملاحظہ ہوں:

؎ سنکی وہ دیکھ بادِ شفاعت کہ دے ہوا
یہ آبرو رضا ترے دامانِ تر کی ہے

ایک اور جگہ فرمایا:

؎ دعویٰ ہے سب سے تیری شفاعت پہ بیش تر
دفتر میں عاصیوں کے شہا انتخاب ہوں

نیز فرمایا:

؎ سب نے صفِ محشر میں للکار دیا ہم کو
اے بیکسوں کے آقا! اب تیری دہائی ہے

تصوّف میں بڑا سخت مقام محاسبۂ نفس ہے، اسے امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی امید رحمت کے ساتھ یکجا دیکھئے:

؎ آنکھ تو اٹھتی نہیں، دیں کیا جواب
ہم پہ بے پُرسش ہی رحمت کیجئے

دوسری جگہ فرمایا:

زاہد! اُن کا میں گنہگار وہ میرے شافع
اتنی نسبت مجھے کیا کم ہے تو سمجھا کیا ہے

ان کا حج نفل زیارتِ روضۂ انور کا طفیلی ہو گیا:

؎ اس کے طفیل حج بھی خدا نے کرا دیے
اصل مراد حاضری اس پاک در کی ہے
کعبہ کا نام تک نہ لیا، طیبہ ہی کہا
پوچھا تھا ہم سے جس نے کہ نہضت کدھر کی ہے

غیرتِ عشق:

اِمام اَحمد رضا علیہ الرحمۃ اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی بڑی سے بڑی حکومت کے آگے جھکنے کو تیار نہیں تھے۔ کسی نے انگریز گورنمنٹ کو سرکار کہہ دیا تو غیرتِ عشق پکار اٹھی:

؎ بجز سرکارِ سرِ کار ایجاد
سروکارے بہ سرکارے ندارم

انہیں حیرت ہے کہ دنیا والوں کو کیا ہو گیا ہے؟ میرے آقا کے ہوتے ہوئے اپنی دنیا کے تاجداروں کو آقا کہہ رہے ہیں؟

؎ کیا بھول ہے اُن کے ہوتے کہلائیں
دنیا کے یہ تاجدار آقا
ان کے ادنیٰ گدا پہ مٹ جائیں
ایسے ایسے ہزار آقا

یہ بھی ان کی غیرتِ عشق ہی کا نتیجہ ہے کہ اگر مدح کی ہے تو صرف اپنے آقا کی یا ان کے آل واصحاب کی، ان کے اولیاء اور علماء کی۔ کسی غیر سے انہیں نیازمندانہ تعلّقِ خاطر کبھی نہ ہو سکا۔ کفار تو کفار مسلم نوابوں کی منقبت لکھنا بھی گوارا نہیں۔ ان کی وہ نعت اور اس کا واقعہ مشہور ہے کہ بعض حضرات نے فرمائش کر ڈالی کہ نواب نان پارہ ایسے ایسے اوصافِ حسنہ کا حامل ہے آپ بھی اس کی کوئی منقبت لکھ دیں۔ جواباً اِمام اَحمد رضا علیہ الرحمۃ نے اپنے آقا

صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت لکھی جس کے مقطع میں نان پارہ کو الٹ کر باندھا۔ فرماتے ہیں:

کروں مدحِ اہلِ دُوَل رضا
پڑے اس بلا میں مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا
مرا دین پارۂ ناں نہیں

مطلع یہ ہے:

؎ وہ کمالِ حسنِ حضور ہے کہ گمانِ نقصِ جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

جب دوسری بار ۱۳۲۴ھ میں آقائے کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تو شوقِ دیدار کے ساتھ مواجہۂ عالیہ میں درود شریف پڑھتے رہے۔ انہیں امید تھی کہ ضرور سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم عزت افزائی فرمائیں گے اور زیارتِ جمال سے سرفراز کریں گے لیکن پہلی شب تکمیلِ آرزو نہ ہوسکی۔ یاس وحسرت کے عالم میں ایک نعت کہی جس کا مطلع ہے:

؎ وہ سوئے لالہ زار پھرتے ہیں
تیرے دن اے بہار پھرتے ہیں

مقطع میں عاشقِ مصطفیٰ کا ناز اور ایک جلیل القدر ولی کا عرفان، پھر بے کسی ومحرومی کا اظہار کچھ عجب انداز لئے ہوئے نظر آتا ہے۔ عرض کرتے ہیں:

؎ کوئی کیوں پوچھے تیری بات رضا
تجھ سے کُتّے ہزار پھرتے ہیں

مواجہہ شریفہ میں یہ نعت عرض کی اور مؤدب ومنتظر بیٹھ گئے۔ قسمت جاگی، حجاب اٹھا اور عالمِ بیداری میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت اور جمالِ جہاں آرا کے دیدار سے شرف یاب ہوئے۔

یہ آقائے کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے وہ اعزاز ہے جو بڑے ناز کے پالوں کو ہی میسر آتا ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ کے متعلق امام عبدالوہاب شعرانی علیہ الرحمۃ نے میزان

الشریعۃ الکبریٰ میں ذکر فرمایا ہے کہ انہیں پچھتر (75) بار بیداری میں سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل ہوا اور بالمشافہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے تحقیقات حدیث کی دولت پائی۔ بیداری میں شرف زیارت کے اثبات میں علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک رسالہ بھی ہے۔
تنویر الحلك فی امکان رویة النبی و الملك

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ خواب میں تو بار بار زیارتِ جمالِ اقدس سے شرف یاب ہوئے مگر اس بار خاص روضۂ مقدسہ کے حضور عالمِ بیداری میں دیدار سے سرفراز ہوئے ہیں جوان کے کمالِ عشق وعرفان کی کھلی ہوئی دلیل اور بارگاہِ رسالت میں ان کی مقبولیت کا بین ثبوت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک شامی بزرگ نے امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے خاص یومِ وصال پر خواب میں دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے جنازہ کا انتظار کر رہے ہیں۔

(تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو مضمون ''حافظ ملت اور سوانح اعلیٰ حضرت'' وغیرہ)

اور کیوں نہ ہو کہ اس عاشقِ صادق اور عالمِ ربانی، مجاہدِ کامل اور عارفِ صمدانی کی پوری زندگی احیائے دین وسنت اور ناموسِ رسالت کی حفاظت وصیانت میں بسر ہوئی ہے۔ وہ اپنی اور اپنے آباء واجداد کی عزت پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت پر قربان کرتا ہے۔ دشمنوں سے گالیاں سُنتا ہے اور قرار پاتا ہے کہ کم از کم جتنی دیر وہ مجھے گالی دیتے اتنی دیر تو میرے آقا کی بدگوئی سے باز رہتے ہیں۔ خود فرماتے ہیں:

> ''واللہ العظیم وہ بندۂ خدا بخوشی یاضی ہے اگر یہ دشنامی حضرات بھی اس بدلے پر راضی ہوں کہ وہ اللہ ورسول (جل جلالہ وصلی اللہ علیہ وسلم) کی جناب میں گستاخی سے باز آئیں اور یہ شرط لگائیں کہ روزانہ اس بندۂ خدا کو پچاس ہزار مغلظہ گالیاں سنائیں اور لکھ لکھ کر شائع فرمائیں۔ اگر اس قدر پر پیٹ نہ بھرے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی سے باز رہنا اس شرط پر مشروط رہے کہ اس بندۂ خدا کے ساتھ اس کے باپ دادا اکابر علماء قُدِّسَتْ اَسْرَارُھُمْ کو بھی گالیاں دیں تو ایں ہم برعلم۔

اے خوشا نصیب اُس کا کہ اس کی آبرو، اس کے آباء واجداد کی آبرو بدگویوں کی

بدزبانی سے محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آبرو کیلئے سپر ہو جائے۔
یہی وجہ ہے کہ بدگو حضرات اس بندۂ خدا پر کیا کیا طوفان، بہتان اس کے ذاتی معاملات میں اٹھاتے ہیں۔ اخباروں، اشتہاروں میں طرح طرح کی گڑھتوں سے کیا کیا خاکے اڑاتے ہیں مگر وہ اصلاً قطعاً نہ اس طرف التفات کرتا نہ جواب دیتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ جو وقت مجھے اس لئے عطا ہوا کہ بعونہ تعالیٰ عزت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حمایت کروں، حاشا کہ اسے اپنی ذاتی حمایت میں ضائع ہونے دوں۔ اچھا ہے کہ جتنی دیر مجھے بُرا کہتے ہیں محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بدگوئی سے غافل رہتے ہیں۔

فَاِنَّ اَبِیْ وَ وَالِدَہٗ وَ عِرْضِیْ
لِعِرْضِ مُحَمَّدٍ مِّنْکُمْ وَقَاءٗ"

(خلاصہ فوائد فتویٰ صفحہ ۴۹،۵۰ ملخصا)

تصوف عملی میں نہایت سخت مقام یہ ہے کہ آدمی کے نفس میں تعریف پر عُجب وخود بینی پیدا ہو جائے اور مذمت پر جوشِ غضب اور جذبۂ انتقام اُبھر آئے۔ سالک کیلئے اس سے بچنا ضروری ہے۔ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کا یہ دوہرا مجاہدہ ہے۔ ایک عظیم مجاہدہ تو دشمنانِ مصطفیٰ سے قلمی مقابلہ اور ان کی گمراہیوں کا رد وابطال ہے اور دوسرا یہ کہ اس خدمت کے سبب حرمین شریفین کے اکابر علماء کی زبان وقلم سے مدح سن کر اپنے نفس کو عُجب سے بچانا اور دشمنوں سے گالیاں سُن کر غضب وانتقام سے بچانا۔ مگر بفضلہ تعالیٰ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ دونوں مجاہدے بڑی کامیابی سے سر کرتے ہیں۔ تحدیثِ نعمت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"حمد اس کے وجہ کریم کو جس نے اپنے بندے کو یہ ہدایت دی، یہ استقامت دی کہ وہ نہ ان اعاظمِ اکابر کی ان عظیم مدحوں پر اتر تا ہے بلکہ اپنے رب کے حُسنِ نعمت کو دیکھتا ہے کہ پاکی تیرے لئے۔ کیسا تُو نے اس ناچیز کو ان عظمائے عزیز کی آنکھوں میں معزز فرمایا۔ نہ (یہ بندہ) ان دشنامیوں اور ان کے حامیوں کی گالیوں سے جو وہ زبانی دیتے اور اخباروں میں چھاپتے ہیں،

پریشان ہوتا بلکہ شکر بجا لاتا ہے کہ تو نے محض اپنے کرم سے اس ناقبل کو اس قابل کیا کہ یہ تیری عظمت اور تیرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی عزّت کی حمایت کرے۔ گالیاں کھائے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سرکار کے پہرہ دینے والے کتوں میں اس کا چہرہ لکھا جائے''۔ (خلاصہ فوائد فتاویٰ صفحہ 49، 50 ملخصاً)

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ اعلیٰ حضرت اِمام اَحمد رضا علیہ الرحمۃ کے پاس اُن کے ایک مریدِ معتقد حاضر تھے کہ ڈاک میں ایک گالیوں بھرا خط نکلا۔ وہ پڑھ کر غصے سے سُرخ ہوگئے۔ عرض کیا: یہ شخص میرے قریب کا رہنے والا ہے اس پر مقدمہ دائر کر کے اسے قرار واقعی سزا دلائی جائے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے اُنہیں تسلّی دی اور کمرے سے بہت سارے تعریفی خطوط لا کر ان کے سامنے رکھ دیے۔ وہ پڑھ کر پھولے نہ سمائے۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے فرمایا: پہلے ان تعریف کرنے والوں کو انعام واکرام سے مالا مال کرلیجئے پھر گالی دینے والے کو سزا دلایئے اور جب محبّ کو فائدہ نہیں پہنچا سکتے تو دشمن کو نقصان پہنچانے کی بھی فکر نہ کیجئے۔

یہ تھا اِمام اَحمد رضا علیہ الرحمۃ کا حسنِ نیت، اخلاصِ عمل، جہاد فی الدین اور کردار و عمل کا وہ کمال جس نے علمائے عصر کی اونچی اونچی صفوں میں انہیں ممتاز سے ممتاز تر کردیا اور ان شاء اللہ تعالیٰ قیامت میں بھی اسی شان سے جلوہ گر ہوں گے۔

تعظیمِ سادات:

عشق کی صداقت اور پختگی جبھی ہے کہ جس چیز کو بھی محبوب سے نسبت ہو اس سے محبت رکھے اور اس کا احترام بجا لائے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرام و تابعینِ عظام اور دوسرے اسلاف کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ قرابت کی محبت و تعظیم میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ یہی نہیں بلکہ آثار و تبرکات کی تعظیم کا بھی انہوں نے عملی ثبوت فراہم کیا ہے۔ انہی عرفاء کے اتباع میں اِمام اَحمد رضا علیہ الرحمۃ کی زندگی بھی تعظیمِ سادات کے شواہد سے لبریز ہے۔ انہیں اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت رکھنے والی چلتی پھرتی یہی یادگاریں نصیب تھیں۔ اس لیے ان کی عزت وتکریم میں کوئی کمی کیسے روا رکھتے۔ آلِ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں فرماتے ہیں:

؎ تیری نسلِ پاک سے ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عینِ نور تیرا سب گھرانا نور کا

یہاں مختصراً چند واقعات کی روشنی میں ان کی تعظیمِ آلِ رسول کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو دیدۂ عبرت وبصیرت سے پڑھنے کے قابل ہے:

1- مولانا سید شاہ ابوسلمان محمد عبدالمنان قادری ایک بار ملاقات اور کچھ مسائل کے حل کیلئے آئے تھے۔ ان کا بیان ہے کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کو جب معلوم ہوا کہ یہ فقیر سادات سے ہے تو آپ نے بڑی عزت بخشی اور جملہ شکوک چند منٹوں میں اس طرح رفع کردیے کہ گویا شکوک کبھی پیدا ہی نہ ہوئے تھے پھر اخلاق کا یہ عالم کہ دو دن مجھے آپ کے اخلاقِ کریمانہ نے روکے رکھا۔ اُن دنوں اس فقیر نے بہت سے فیوض و برکات حاصل کیے۔ رخصت ہوتے وقت کچھ روپے جو الٰہ آباد کی آمد و رفت میں صرف ہوسکتے تھے بلکہ کچھ زائد ہی مرحمت فرمائے۔ میں نے انکار کیا تو فرمایا: یہ تو آپ کے گھر کے عنایت کردہ ہیں، انہیں لے لیجئے۔ تو فقیر نے وہ رقم لے لی۔ بعدِ وصال چند بار عرس میں حاضری ہوئی اس وقت بھی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی روحانیت نے اپنے فیوض وبرکات سے محروم نہ رکھا۔ (حیاتِ اعلیٰ حضرت جلد 1 صفحہ 206)

مولانا موصوف خاص خانقاہی بزرگ ہیں۔ ان کے بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ تصوف وطریقت میں بھی انہوں نے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا پایہ بلند دیکھا ورنہ اہلِ طریقت صرف اہلِ ظاہر سے کب متاثر ہوتے ہیں؟

2- لاعلمی میں ایک سیدزادے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ملازم ہوگئے۔ جب سیادت کا علم ہوا تو گھر والوں کو تاکید کردی کہ شہزادے سے خدمت نہ لی جائے اور جو کچھ دینے کا وعدہ ہوچکا ہے بطورِ نذر پیش کیا جائے نہ کہ بطورِ اجرت۔ کچھ دنوں بعد وہ سید زادے چلے گئے کیونکہ بے محنت رقم لینا انہیں پسند نہ آیا۔

3- جب میلاد شریف وغیرہ کا تبرک تقسیم ہوتا تو ساداتِ کرام کو دوہرا حصہ دیا جاتا۔ ایک بار سید محمود جان قادری رحمۃ اللہ علیہ کو غلطی سے ایک ہی حصہ پہنچا۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو علم

ہوا تو تلافی میں باصرار پوری ایک سینی پیش کی اور اپنے خادم کے ذریعہ ان کے گھر تک بھجوائی۔

4- مکان کا ایک حصہ تعمیر کی وجہ سے لوگوں کی آمد و رفت کیلئے مردانہ قرار پایا۔ مستورات دوسرے مکان میں بھیج دی گئیں۔ بعدِ تعمیر پھر منتقل ہوگئیں۔ ایک سید صاحب جو اس مکان میں پہلے موردِ خاص و عام ہونے کے وقت تشریف لا چکے تھے، اس لیے کوئی بتانے والا بھی نہ ملا۔ انہیں احساس ہوا کہ یہ مکان اب زنانہ ہوگیا ہے تو بہت شرمندہ ہوئے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی نظر پڑی تو سمجھ گئے۔ اپنے پاس بٹھا کر باتوں میں لگا لیا اور اس طرح دل جوئی فرمائی کہ ان کا احساس ندامت جاتا رہا پھر باہر آکر خود رخصت کیا۔

آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پر ندامتِ خانگی کا اثر دیکھنا بھی اُس عاشقِ رسول کو گوارا نہ ہوا اور ایسی برادری فرمائی کہ سبحان اللہ، ماشاء اللہ۔

5- ایک مرتبہ ایک سیّد صاحب کی آواز کانوں میں پڑی ''دِلواؤ سیّد کو''۔ اسی دن اخراجات کی رقمیں مولانا حسن رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ نے لا کر دی تھیں۔ پورا بکس لے جا کر پیش کر دیا جس میں چھوٹے بڑے نوٹ، اٹھنیاں، چونیاں اور روپے پیسے دو سو کے قریب تھے۔ سیّد صاحب اُنہیں بغور دیکھتے رہے اور صرف ایک چونی لے لی۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے کہا: حضور! سبھی حاضر ہے۔ فرمایا: بس! اس کے بعد گھر والوں کو تاکید کر دی کہ سیّد صاحب نظر آئیں تو ایک چونّی حاضر کر دی جائے۔ انہیں مانگنے کی ضرورت نہ پڑے۔

تعظیم سادات سے امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کی صبح و شام معطر ہے۔ کوئی لکھے تو کہاں تک لکھے۔ ان کا جلوہ ان کے صاحبزادے مفتیِ اعظم ہند مولانا شاہ مصطفیٰ رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں سینکڑوں حضرات بچشم خود ملاحظہ کر چکے ہیں۔ عشقِ رسول ہو تو تعظیمِ آلِ رسول خود بخود پیدا ہو جاتی ہے۔ ساداتِ کرام تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جزوِ بدن ہیں۔ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے آثارِ مبارکہ کی تعظیم میں بھی رسالے لکھے ہیں۔ ''بدر الانوار فی آداب

الآثار" (۱۳۲۶ھ) اور "شفاء الوالہ فی صور الحبیب ومزارہ ونعالہ" (۱۳۱۵ھ) قابلِ دید ہیں۔ صرف عشق ومحبت ہی نہیں بلکہ علم وشریعت کی زبان میں بھی آثار کی تعظیم کو مدلّل فرمایا ہے اور عام طور سے جو شکوک وشبہات پیش کیے جاتے ہیں ان کا ازالہ فرمانے کے ساتھ بہت سے آداب ومسائل اور افراط وتفریط کے مابین حدودِ شرعیہ بھی لکھی ہیں۔

مُجاہدہ:

ایک بار مجاہدہ کا ذکر آیا تو امام احمد رضا علیہ الرحمۃ نے فرمایا:

"اس کیلئے اَسّی (80) برس درکار ہیں اور رحمت توجہ فرمائے تو ایک آن میں نصرانی سے ابدال کر دیا جاتا ہے اور صدقِ نیت کے ساتھ مشغولِ مجاہدہ ہو تو امدادِ الٰہی خود کارفرما ہوتی ہے"۔

عرض کیا گیا: یہ تو اگر اُسی کا ہو رہے تو ہو سکتا ہے۔ دنیوی ذرائعِ معاش اور دینی خدمات سب چھوڑنا پڑیں گی۔

فرمایا: "اس کیلئے یہی خدماتِ مجاہدات ہیں بلکہ اگر نیت صالح ہے تو ان مجاہدوں سے اعلیٰ۔ اِمام ابو اسحٰق اسفرائنی علیہ الرحمۃ جب انہیں مبتدعین کی بدعات کی اطلاع ہوئی، پہاڑوں پر ان اکابر علماء کے پاس تشریف لے گئے جو ترکِ دنیا و مافیہا کر کے مجاہدات میں مصروف تھے۔ ان سے فرمایا: اے سوکھی گھاس کھانے والو! تم یہاں ہو اور امتِ محمدیہ فتنوں میں ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ امام! یہ آپ ہی کا کام ہے، ہم سے نہیں ہو سکتا۔ امام وہاں سے واپس آئے اور بدمذہبوں کے ردّ میں نہریں بہائیں"۔ (الملفوظ حصہ ۱ صفحہ 8)

اِمام ابنِ حجر مکی علیہ الرحمۃ نے لکھا ہے کہ ایک عالم صاحب کی وفات ہوئی۔ ان کو کسی نے خواب میں دیکھا۔ پوچھا: آپ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا؟ فرمایا: جنت عطا کی گئی نہ علم کے سبب بلکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس نسبت کے سبب جو کتے کو راعی کے ساتھ ہوتی ہے کہ ہر وقت بھونک بھونک کر بھیڑوں کو بھیڑیے سے ہوشیار کرتا رہتا ہے۔ مانیں نہ مانیں یہ ان کا کام۔ فرمایا کہ بھونکے جاؤ بس اس قدر نسبت کافی ہے۔ لاکھ ریاضتیں، لاکھ مجاہدے اس نسبت پر قربان جس کو یہ نسبت حاصل ہے۔ اس کو کسی مجاہدے کی ضرورت نہیں اور اسی

میں کیا ریاضت تھوڑی ہے؟ جو شخص عُزلت نشین ہوگیا نہ اس کے قلب کو کوئی تکلیف پہنچ سکتی ہے نہ اس کی آنکھوں کو نہ اس کے کانوں کو۔ اس سے کہئے جس نے اوکھلی میں سر دیا ہے اور چاروں طرف سے موسل کی مار پڑ رہی ہے۔ (الملفوظ حصہ 3 صفحہ 38)

اب آپ اِمام اَحمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے شب و روز کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ انہوں نے کتنا عظیم مجاہدہ کیا ہے۔ پوری زندگی خدمتِ دین اور پیارے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھولی بھالی بھیڑوں کو ہوشیار کرنے اور رہزنانِ دین کی گالیاں سننے میں بسر کی ہے جس کا نقشہ میں گذشتہ عنوان میں پیش کر چکا ہوں اور یہ سلسلہ بعدِ وصال بھی جاری ہے۔ ایک طرف ان کی تصانیف سے حفاظتِ دین و مسلمین ہوتی جا رہی ہے تو دوسری طرف مخالفین کی طرف سے گالیوں کا بھی تانتا بندھا ہوا ہے۔ یہی وہ عظیم مجاہدہ تھا کہ ان کے مرشدِ طریقت نے کسی اور ریاضت کی ضرورت نہ سمجھی بلکہ خلافت و اجازت کے ساتھ تمغۂ امتیاز بھی بخش دیا کہ روزِ قیامت اگر احکم الحاکمین عزوجل نے فرمایا: آلِ رسول! تو میرے لیے کیا لایا ہے؟ تو میں اَحمد رضا کو پیش کروں گا''۔

کسی شاعر نے اسی واقعے کو اپنے انداز میں یوں بیان کیا ہے:

روزِ محشر اگر مجھ سے پُوچھے خدا
بول آلِ رسول! تُو لایا ہے کیا؟
پیش کردوں گا لایا ہوں اَحمد رضا
یا خدا! یہ اَمانت سلامت رہے

علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ صفۃ الصفوۃ میں حضرت سفیان بن عینیہ کا ارشاد نقل فرماتے ہیں:

ارفع الناس منزلة من كان بين الله وبين عباده وهم الانبياء والعلماء۔
''لوگوں میں سب سے بلند رتبہ وہ حضرات ہیں جو اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان واسطہ ہوتے ہیں اور یہ انبیاء ہیں اور علماء''۔ (صفۃ الصفوۃ جلد 2 صفحہ 131)

ایک صحرا نشیں خلوت گزیں عابدِ مرتاض صرف اپنے آپ کو نارِ جہنم سے بچانے کی تدبیر

کرتا ہے اور ایک مخلص و بے ریا صاحبِ ہمّت و مجاہدہ عالمِ ربّانی ایک جہان کو عذابِ آخرت سے بچانے کی سعی کرتا ہے۔ بھلا یہ اُس سے کم کیونکر ہوسکتا ہے۔ یقیناً یہ اس سے افضل و اعلیٰ ہے بشرطیکہ جو کچھ کر رہا ہے اس سے اس کا مقصود ذاتِ احد اور خوشنودیِ خدا اور رسول ہو اور یہ شرط تو خلوت گزیں عابدِ مرتاض کیلئے بھی ہے۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ۔

لیکن ان بیانات سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ اِمام اَحمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے باضابطہ طور پر طریقت کی تعلیم حاصل نہ کی۔ خود فرماتے ہیں:

''جمادی الاولیٰ ۱۲۹۴ھ میں شرفِ بیعت سے مشرف ہوا۔ تعلیمِ طریقت حضور پرنور پیر و مرشد برحق سے حاصل کی۔ ۱۲۹۶ھ میں حضرت کا وصال ہوا تو قبلِ وصال مجھے حضرت سیدنا شاہ ابوالحسین اَحمد نوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے ابن الابن ولی عہد و سجادہ نشین کے سپرد فرمایا''۔ (حیاتِ اعلیٰ حضرت صفحہ 44 تا 45)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرت پیر و مرشد مولانا سید آل رسول رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کمالِ اعتناء کے ساتھ تاحیات تعلیمِ طریقت سے نوازا اور وقتِ وصال بھی خیال رکھا کہ یہ عنایت اپنے ولی عہد حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو سپرد کی۔ اس لیے بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ اِمام اَحمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے وہ منازلِ سلوک بھی طے فرمائے جو بے مرشدِ کامل طے نہیں ہوتے۔ وَلَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّه۔

اب میں چاہتا ہوں کہ اِمام اَحمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے تصوُّف عملی کے کچھ اور نظائر پیش کردوں۔ ماسبق میں ضمناً ان کے عشقِ رسول، تعظیمِ رسول، محاسبۂ نفس، غیرتِ عشق اور مجاہدۂ علمی و عملی وغیرہ کا بیان آچکا ہے۔

ایمان و یقین:

ولی اور صوفیِ کامل کیلئے لازمی شرط ایقان و ایمان میں عامۃ الناس سے زیادہ کامل ہونا ہے۔ اسی کو قرآن نے ''اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ'' میں ذکر فرمایا ہے۔ یہ رسوخ و یقین اِمام اَحمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی پوری زندگی میں نظر آتا ہے۔ ان کے افکار و عقائد یقین کی محکم بنیادوں پر قائم ہیں، خواہ وہ اصولی ہوں یا فروعی مگر جو عقیدۂ حقہ وہ رکھتے ہیں، اس میں راسخ و

مستحکم ہیں اور یہ استحکام صرف علم سے ہرگز پیدا نہیں ہوتا، اُس کیلئے عرفان ضروری ہے۔

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخِ ولادت جو انہوں نے خود استخراج فرمائی تھی، اس آیتِ کریمہ میں ہے:

أُولٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُمْ بِرُوحٍ مِّنْهُ

"1272ھ"

"یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرما دیا ہے اور اپنی طرف سے روح القدس کے ذریعہ ان کی مدد فرمائی"۔

اس آیت کا ابتدائی حصہ اس طرح ہے:

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَادُّوْنَ مَنْ حَادَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْا اٰبَاءَهُمْ اَوْ اَبْنَاءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ۔

"نہ پائیں گے آپ ان لوگوں کو جو اللہ و رسول اور یومِ آخر پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ اللہ و رسول کے مخالفوں سے دوستی رکھیں۔ اگرچہ وہ ان کے باپ یا ان کی اولاد یا ان کے بھائی یا ان کے کنبے قبیلے ہی کے کیوں نہ ہوں"۔ (مجادلۃ: 22)

اسی کے متصل فرمایا:

أُولٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ

"یہ ہیں وہ لوگ جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش کر دیا ہے"۔ (مجادلۃ: 22)

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے اندر خدا اور رسول کے دشمنوں سے نفرت ابتداء ہی سے تھی۔ خود فرماتے ہیں:

"بحمد اللہ تعالیٰ بچپن سے مجھے نفرت ہے اعداء اللہ سے اور میرے بچوں کے بچوں کو بھی بفضلِ اللہ تعالیٰ عداوتِ اعداء اللہ تعالیٰ گھٹی میں پلا دی گئی ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ یہ وعدہ بھی پورا ہوا: أُولٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ

بحمد اللہ اگر قلب کے دو ٹکڑے کیے جائیں تو خدا کی قسم ایک پر لکھا ہوگا: لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دوسرے پر لکھا ہوگا: مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ)‘‘۔(وصایا شریف والملفوظ حصہ 2 صفحہ 67)

سوائے عارفِ کامل کون یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ خدا کی قسم! میرے قلب میں ایمان اس طرح نقش ہے اور ایسا کامل الایمان کون مل سکتا جس کے دل پر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھ دیا گیا ہو۔ یہ صوفیہ واہل اللہ ہی کا خاص حصہ ہے۔

اسی طرح ربِ قدیر عزوجل کی قدرتِ کاملہ پر بھی انہیں ہر وقت یقینِ کامل رہتا۔ بہت سے فنون کی طرح علمِ نجوم کے بھی ماہر تھے اور عموماً اہلِ نجوم اپنے ظنی علم پر اتنا وثوق واعتماد رکھتے ہیں کہ خدا کی قدرت کو بھول جاتے ہیں مگر امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی کیفیت کچھ اور ہی ہے۔

مولانا محمد حسین بریلوی رحمۃ اللہ علیہ (موجدِ طلسمی پریس) کے والد مولانا غلام حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو علومِ نجوم میں بڑے کمال کے حامل تھے۔ ستاروں کی شناخت اور اس کے نتائج نکالنے میں کافی ملکہ تھا۔ عمر میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے بڑے اور آپ کے والدِ ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے ملنے والوں میں تھے، ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے یہاں تشریف لائے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دریافت کیا: فرمایئے: بارش کا کیا اندازہ ہے؟ کب تک ہوگی؟ انہوں نے ستاروں کی وضع سے زائچہ بنایا اور فرمایا: اس مہینے میں پانی نہیں ہے۔ آئندہ ماہ میں ہوگا۔ یہ کہہ کر زائچہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی طرف بڑھایا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھ کر فرمایا: ’’اللہ کو سب قدرت ہے، چاہے تو آج ہی بارش ہو‘‘۔ انہوں نے کہا: یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ آپ ستاروں کی وضع نہیں دیکھتے؟ فرمایا: محترم! میں سب دیکھ رہا ہوں اور اس کے ساتھ ستاروں کے واضع اور اس کی قدرت کو بھی دیکھ رہا ہوں۔ پھر اس مشکل مسئلہ کو بڑے آسان طریقہ سے سمجھایا۔ سامنے کلاک لگی ہوئی تھی۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے پوچھا: وقت کیا ہے؟ بولے: سوا گیارہ بجے ہیں۔ فرمایا: بارہ بجنے میں کتنی دیر ہے؟ بولے: پون گھنٹہ۔ فرمایا: اس سے پہلے؟ کہا: ہرگز نہیں، ٹھیک پون گھنٹہ۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اُٹھے اور بڑی سوئی گھما دی۔ فوراً ٹن ٹن بارہ بجنے لگے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: آپ نے کہا تھا: ٹھیک پون گھنٹہ بارہ بجنے میں باقی ہے۔ بولے: اس کی سوئی کھسکا دی گئی ہے ورنہ اپنی رفتار سے پون گھنٹہ بعد ہی بارہ

بجتے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اسی طرح ربُّ العزت قادرِ مطلق ہے کہ جس ستارے کو جس وقت جہاں چاہے، پہنچا دے۔ وہ چاہے تو ایک مہینہ، ایک ہفتہ، ایک دن کیا، ابھی بارش ہونے لگے۔ اتنا فرمانا تھا کہ چاروں طرف سے گھنگھور گھٹا چھائی اور فوراً پانی برسنے لگا۔ (حیاتِ اعلیٰ حضرت)

کیا قدرتِ خداوندی پر ایسا ایمان و یقین کسی ماہرِ نجوم میں مل سکتا ہے اور کیا زبان کی ایسی تاثیر کسی عالمِ ظاہر کے یہاں دستیاب ہو سکتی ہے؟ یہ واقعہ بیّن دلیل ہے کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ صرف عالم ہی نہیں بلکہ عارف اور صوفیِ کامل بھی تھے۔

یہ تو قدرتِ الٰہیہ پر ایمان و یقین کی بات ہے جو ہر مومن کے قلب میں ہونا چاہیے، اگر بالکل ہی نہ ہو تو مومن ہی کہاں اور اگر اس حد تک نہ ہو تو مومن ضرور ہے مگر عارف اور کامل الایمان ہرگز نہیں۔

امام اَحمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کو اُن احادیث پر بھی یقینِ کامل ہوتا جو آحاد ہوتا ہوتیں اور جن سے ثبوت کو علماء ظنی مانتے ہیں۔ خود اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ بھی یہی لکھتے ہیں لیکن یہ معاملہ احکامِ شریعت تک ہے اور اس کے خاص اسباب و نتائج ہیں جو فقہی و علمی باریکیوں پر مشتمل ہیں۔ مجھے یہ ذکر کرنا ہے کہ وہ احادیث جو غیر احکام میں ہوں اور کسی منصوصِ شرعی کے معارض نہ ہوں اگر ان پر کسی مومن کو آج بھی یقینِ کامل ہو اور اس پر وہ عمل کرے تو اسے اس کا حق ہے۔ حدیثِ قدسی میں ربِّ کریم فرماتا ہے:

اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ۔

''میرا بندہ میرے ساتھ جیسی امید رکھتا ہے، میں اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ فرماتا ہوں''۔

امام اَحمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات پر اعتمادِ کامل اور اپنے مالک جل وعلا کی رحمت پر یقینِ محکم تھا۔

حدیث شریف میں ایک دعا ہے کہ کسی کشتی پر سوار ہوتے وقت پڑھ لی جائے تو کشتی غرق ہونے سے محفوظ رہے گی۔ اِمام اَحمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے سفرِ حج میں جہاز پر سوار ہوتے

ت وہ دعا پڑھ لی تھی۔ ساتھ میں والدین علیہما الرحمہ بھی تھے۔ سمندر میں سخت طوفان آیا،
ونوں نے کفن پہن لئے۔ والدہ ماجدہ بہت پریشان ہوئیں۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے
ں:

ان کا اضطراب دیکھ کر بے ساختہ میری زبان سے نکلا:

''آپ اطمینان رکھیں۔ خدا کی قسم! یہ جہاز نہ ڈوبے گا''۔

فرماتے ہیں: مَیں حدیث کے وعدۂ صادقہ پر مطمئن تھا پھر بھی قسم کے نکل جانے سے
ہ اندیشہ ہوا اور معاً حدیث یاد آئی: من یتألّ علی اللہ یکذّبہ۔ حضرت عزت کی طرف
ع کی اور سرکار رسالت سے مدد مانگی۔ وہ باد مخالف جو تین دن سے بقوت چل رہی تھی،
للہ گھڑی بھر میں موقوف ہوگئی اور جہاز نے طوفان سے نجات پائی۔ (الملفوظ حصہ ۲ صفحہ ۲ و ۳)

اسی طرح حدیث میں ہے کہ جو کسی بلا رسیدہ کو دیکھ کر اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ عَافَانِیْ مِمَّا
لاکَ بہ وَفَضَّلَنِیْ عَلٰی کَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقَ تَفْضِیْلًا پڑھ لے تو اُس مرض و بلا سے مامون
ظ رہے گا۔ اِمام اَحمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے طاعون زدہ کو دیکھ کر بارہا یہ دعا پڑھی تھی اور حدیث
س اطمینانِ کامل تھا۔ ایک بار کسی غریب کے یہاں دعوت میں گائے کا گوشت کھانا پڑا
ں کے اثر سے گلٹی نکل آئی۔ بولنا، پڑھنا موقوف ہوگیا۔ نمازِ سنت بھی کسی کی اقتداء میں ادا
تے۔ ان دنوں بریلی میں طاعون کا زور تھا۔ طبیب نے دیکھ کر کہا: وہی ہے۔ اعلیٰ حضرت
ہ فرماتے ہیں: میں بول نہ سکتا تھا اس لئے جواب نہ دے سکا۔ دِل میں بارگاہِ ربّ
ت کی طرف رجوع کی اور عرض کیا:

اَللّٰھُمَّ صَدِّقِ الْحَبِیْبَ وَ کَذِّبِ الطَّبِیْبَ۔

''خداوندا! اپنے حبیب کا قول سچا کر دکھا اور طبیب کا قول جھوٹا''۔

فوراً جیسے کسی نے کان میں ایک تدبیر بتائی۔ مسواک اور گول مرچ۔ جس کے استعمال
رض جاتا رہا۔ اب طبیب کے یہاں کہلا بھیجا کہ تمہارا وہ ''طاعون'' جاتا رہا۔

اس واقعہ کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ مجھے نوعمری میں آشوبِ چشم اکثر ہوتا اور بوجہ
ِ مزاج تکلیف دیتا۔ انیس (19) سال کی عمر ہوگی، رام پور جاتے ہوئے ایک شخص کو

رمدِ چشم میں مبتلا دیکھ کر یہی دعا پڑھ لی مگر مجھے اس پڑھنے کا افسوس ہے کیوں کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تین بیماریوں کو مکروہ نہ رکھو۔

1- زکام کہ اس کی وجہ سے بہت سی بیماریوں کی جڑ کٹ جاتی ہے۔

2- کھجلی کہ اس سے اَمراضِ جِلدِیّہ جذام وغیرہ کا اِنسداد ہو جاتا ہے۔

3- آشوبِ چشم کہ نابینائی کو دفع کرتا ہے۔

خیر اس دعا کی برکت سے آشوبِ چشم تو جاتا رہا لیکن جمادی الاولیٰ ۱۳۰۰ھ میں ایک اور مرض پیش آیا۔ بعض اہم تصانیف کے سبب ایک مہینہ کامل باریک خط کی کتابیں شبانہ روز علی الاتصال دیکھنا ہوا۔ یہ عمر کا اٹھائیسواں سال تھا۔ اندر کے دالان میں مطالعہ وتصنیف کا کام ہوتا۔ آنکھوں نے اندھیرے کا خیال نہ کیا۔ شدّتِ گرمی کے باعث ایک روز لکھتے لکھتے غسل کیا۔ سر پر پانی پڑتے ہی معلوم ہوا کہ کوئی چیز دماغ سے داہنی آنکھ میں اتر آئی۔ ایک سربرآوردہ ڈاکٹر نے آلات سے بہت دیر تک بغور دیکھا اور کہا: کثرتِ کتاب بینی سے کچھ یُبُوسَت آ گئی ہے۔ پندرہ دن کتاب نہ دیکھو۔ مجھ سے پندرہ گھڑی بھی نہ چھوٹ سکی۔

حکیم سید مولوی اشفاق حسین سہوانی مرحوم ڈپٹی کلکٹر نے فرمایا: مقدمۂ نزولِ آب ہے۔ بیس برس بعد پانی اتر آئے گا۔ میں نے التفات نہ کیا اور نزولِ آب والے کو دیکھ کر وہی دعا پڑھ لی اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ پاک پر مطمئن ہو گیا۔

۱۳۱۶ھ میں ایک اور حاذق طبیب کے سامنے ذکر ہوا تو اُنہوں نے بغور دیکھ کر کہا چار برس بعد پانی اتر آئے گا۔ ان کا حساب ڈپٹی صاحب کے حساب کے بالکل موافق آیا۔ انہوں نے بیس برس کہے تھے۔ طبیب نے سولہ برس بعد چار کہے۔

مجھے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر وہ اعتماد نہ تھا کہ طبیبوں کے کہنے سے معاذ اللہ متزلزل ہوتا۔ بیس سال درکنار، تیس برس سے زائد گزر چکے اور وہ حلقہ ذرہ بھر نہ بڑھا نہ بعونہٖ تعالیٰ بڑھے گا۔ نہ میں نے کتاب بینی میں کبھی کمی کی نہ انشاء اللہ تعالیٰ کمی کروں۔ یہ میں نے اس لئے بیان کیا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائم و باقی معجزات ہیں جو آج تک آنکھوں دیکھے جا رہے ہیں اور قیامت تک اہلِ ایمان مشاہدہ کریں گے۔ (الملفوظ حصہ 1 صفحہ 15 تا 17 ملخصاً)

اِمام اَحمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے سفرِ حج کا واقعہ ہے۔ مکہ مکرمہ میں حضرت کو بخار تھا۔ فرماتے ہیں: اواخرِ محرّم میں بفضلہٖ تعالیٰ صحت ہوئی۔ وہاں ایک سلطانی حمام ہے۔ میں اس میں نہا کر باہر نکلا ہوں کہ ابر دیکھا جو حرم شریف پہنچتے پہنچتے برسنا شروع ہوا۔ مجھے حدیث یاد آئی کہ جو مینہ برستے میں طواف کرے وہ رحمتِ الٰہی میں تیرتا ہے۔ فوراً سنگِ اسود کا بوسہ لے کر بارش ہی میں سات پھیرے طواف کیا۔ بخار پھر عود کر آیا۔ مولانا سید اسمٰعیل نے فرمایا: ایک ضعیف حدیث کیلئے آپ نے اپنے بدن کی یہ بے احتیاطی کی۔ میں نے کہا: حدیث ضعیف ہے مگر امید بحمد اللہ تعالیٰ قوی ہے۔ یہ طواف بحمدہٖ تعالیٰ بہت مزے کا تھا۔ بارش کے سبب طائفین کی وہ کثرت نہ تھی۔ (الملفوظ حصہ 2 صفحہ 25)

بہت سی حدیثیں جو اپنی سندوں کے باعث محدثین کے نزدیک ضعیف ہیں لیکن اہلِ عرفان اور اولیائے کرام کے نزدیک کشف و مشاہدہ کے باعث قوی ہیں۔ امام اَحمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے ''منیر العین فی حکم تقبیل الا بہامین'' (1323ھ) میں اس کا تفصیلی ذکر فرمایا ہے۔

ایک ضعیف حدیث میں آیا ہے کہ بدھ کے دن ناخن کتروانا برص پیدا کرتا ہے۔ ایک بزرگ عالم (علامہ امیر بن الحاج مکی رحمۃ اللہ علیہ صاحبِ مدخل) نے ضعفِ حدیث کا خیال کر کے بدھ کو ناخن کتروا لئے، برص ہو گیا۔ رات کو جمالِ جہاں آرا کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم نے نہ سنا تھا کہ ہم نے اس سے منع فرمایا ہے۔ عرض کی: میرے نزدیک یہ حدیث صحت کو نہ پہنچی تھی۔ ارشاد ہوا: تمہیں اتنا کافی تھا کہ حدیث ہمارے نام پاک سے تمہارے کان تک پہنچی۔ یہ فرما کر حضور مُبْرِیُ الْاَکْمَہِ والابرص مُحیِ الموتیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دستِ اقدس کہ پناہِ دو جہاں و دستگیرِ بیکساں ہے، اُن کے بدن پر لگا دیا۔ فوراً اچھے ہو گئے اور اُسی وقت توبہ کی کہ اب کبھی حدیث سُن کر مخالفت نہ کروں گا۔ (فتاویٰ رضویہ جلد 2 صفحہ 419)

اسی لئے اِمام اَحمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کو اُن ضعیف حدیثوں پر بھی اعتمادِ قوی ہوتا جو کسی نصِ شرعی کے مخالف نہ ہوتیں اور فضائلِ رجال و فضائلِ اعمال میں بلا تکلف ان پر عمل کرتے۔ البتہ موضوع حدیث کسی طرح قابلِ عمل نہیں کہ وہ حدیث ہی نہیں کسی بدبخت کی من گھڑت بات ہے۔ ان علمی مباحث میں اِمام اَحمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کا تصوّف و عرفان جلوہ آرا نظر آتا ہے۔

قلبی یقین اور کمالِ ایمان واذعان عارفین اور اولیائے کاملین ہی کے در پر نصیب ہوتا ہے۔

تقوٰی:

اِمام اَحمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی پوری زندگی شریعت و سنت مصطفٰی کی پابندی سے آراستہ ہے۔ان کے تقوٰی کی شان بڑی بلند و بالا ہے۔چند واقعات پیش کرتا ہوں جن سے اندازہ ہوگا کہ وہ تقوٰی ہی نہیں ورَع کی منزلِ بلند پر فائز تھے اور اِنْ اَولیاءُہٗ اِلَّا المتقُوْن کے مطابق متقیِ کامل اور ولیِ عارف تھے۔

اِمام اَحمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا آخری رمضان ۱۳۳۹ھ میں تھا۔اس وقت ایک تو بریلی میں سخت گرمی تھی۔ دوسرے عمر کا مبارک آخری حصہ اور ضعف و مرض کی شدت۔ شریعت اجازت دیتی ہے کہ شیخِ فانی روزہ نہ رکھ سکے تو فدیہ دے اور ناتواں مریض کو اجازت ہے کہ قضا کرے لیکن اِمام اَحمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کا فتوٰی اپنے لئے کچھ اور ہی تھا جو درحقیقت فتوٰی نہیں تقوٰی تھا۔انہوں نے فرمایا: بریلی میں شدتِ گرما کے سبب میرے لئے روزہ رکھنا ممکن نہیں لیکن پہاڑ پر ٹھنڈک ہوتی ہے۔ یہاں سے نینی تال قریب ہے۔ بھوالی پہاڑ پر روزہ رکھا جاسکتا ہے۔ میں وہاں جانے پر قادر ہوں لہٰذا میرے لیے وہاں جاکر روزہ رکھنا فرض ہے۔ چنانچہ رمضان وہیں گزارا اور پورے روزے رکھے۔

۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ کو وصال ہوتا ہے۔ مرض مہینوں سے تھا اور ایسا کہ چلنے پھرنے کی طاقت نہیں۔ شریعت اجازت دیتی ہے کہ ایسا مریض گھر میں تنہا نماز پڑھ لے مگر امام اَحمد رضا رحمۃ اللہ علیہ جماعت کی پابندی کرتے اور چار آدمی کرسی پر بٹھا کر مسجد تک پہنچاتے جب تک اس طرح حاضری کی قدرت تھی، جماعت میں شریک ہوتے رہے۔

مَیں نے ''جمل النور فی نھی النساء عن زیارۃ القبور'' (1339ھ) کے حاشیہ میں اپنے استاذ محترم حضور حافظ ملت مولانا شاہ عبدالعزیز مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ (1312 / 1396ھ) کی روایت سے لکھا ہے: ایک بار مسجد لے جانے والا کوئی نہ تھا۔ جماعت کا وقت ہوگیا۔ طبیعت پریشان ہوگئی۔ ناچار خود ہی کسی طرح گھسٹتے ہوئے حاضرِ مسجد ہوئے اور باجماعت نماز ادا کی۔ آج صحت وطاقت اور تمام تر سہولت کے باوجود ترکِ نماز اور ترکِ جماعت کے ماحول

میں یہ واقعہ ایک عظیم درسِ عبرت ہے۔ (مزارات پر عورتوں کی حاضری صفحہ 13)

ایک بار اِمام اَحمد رضا علیہ الرحمۃ اپنے علاقہ زمینداری میں سکونت پذیر تھے۔ دردِ قولنج کے سخت دورے ہوا کرتے تھے۔ ایک دن تنہا تھے۔ فرماتے ہیں: ظہر کے وقت درد شروع ہوا۔ اسی حالت میں جس طرح بنا، وضو کیا۔ اب نماز کو کھڑا نہیں ہوا جاتا۔ ربّ کریم جل جلالہ سے دعا کی اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مدد مانگی۔ مولیٰ عزوجل مضطر کی پکار سنتا ہے۔ میں نے سنتوں کی نیت باندھ دی، درد بالکل نہ تھا۔ سلام پھیرا تو اُسی شدّت سے تھا۔ فوراً اُٹھ کر فرضوں کی نیت باندھی، درد جاتا رہا۔ جب سلام پھیرا، وہی حالت تھی۔ بعد کی سنتیں پڑھیں درد موقوف اور سلام کے بعد پھر بدستور۔ میں نے کہا: اب عصر تک ہوتا رہ۔ پلنگ پر لیٹا کروٹیں لے رہا تھا کہ درد سے کسی پہلو قرار نہ تھا۔ (ملفوظات حصہ 2 صفحہ 79)

خواہ یہ کہیے کہ حالت نماز میں درد یکسر اٹھالیا جاتا تھا یا یہ کہیے کہ توجہ الی اللہ اور استغراقِ عبادت کے باعث درد کا احساس نہ ہوتا تھا۔ بہر صورت امام اَحمد رضا علیہ الرحمۃ کی مقبولیت بارگاہ اور ذوقِ عرفانی کی دلیلِ کافی ہے۔

اس طرح کے واقعات مَیں کہاں تک جمع کروں جب کہ ان کی پوری زندگی انہی حالات وکیفیات سے آراستہ وپیراستہ ہے۔ ایک واقعہ اور ذکر کیا جاتا ہے۔

اِمام اَعظم ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ دن بھر علمی مشاغل اور تدوینِ فقہ وغیرہ میں مصروف رہتے۔ رات کو نوافل وعبادات بھی بجالاتے مگر رات کے کچھ حصے میں آرام بھی کرتے۔ ایک بار کہیں جارہے تھے۔ انھیں دیکھ کر کسی نے کہا: یہ وہ ہیں جو رات بھر عبادت کرتے ہیں۔ اس وقت سے پوری رات عبادت اور شب بیداری اختیار کرلی۔

کسی نے امام اَحمد رضا علیہ الرحمۃ کے پاس خط لکھا تو اس میں دیگر القاب وآداب کے ساتھ "حافظ" بھی لکھ دیا۔ اس وقت امام اَحمد رضا علیہ الرحمۃ باضابطہ حافظ قرآن نہ تھے۔ اگرچہ تقریباً تمام ہی آیات کریمہ حضرت کے زبان وقلم پر رہا کرتیں اور حسبِ ضرورت ان سے استدلال واستنباط بھی کرتے۔ شیرِ بیشۂ اہلِسنّت مولانا حشمت علی خاں علیہ الرحمۃ ۲۹ شعبان ۱۳۴۔ھ کا اپنا عینی مشاہدہ بیان کرتے ہیں کہ ایک خط میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ اپنے القاب

کے ساتھ'' حافظ'' ملاحظہ فرما کر آبدیدہ ہو گئے۔ خوفِ خدا سے دل کانپ اٹھا اور فرمایا: میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ میرا حشر اُن لوگوں میں نہ ہو جن کے بارے میں قرآن عظیم فرماتا ہے:

يُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَالَمْ يَفْعَلُوْا۔

''وہ اسے پسند کرتے ہیں کہ ان کی ایسی خوبیاں بیان کی جائیں جو ان میں نہیں''۔(ال عمران:188)

اس واقعہ کے بعد آپ نے قرآن حفظ کرنے کا عزمِ صمیم کر لیا اور روزانہ عشاء کا وضو فرمانے کے بعد جماعت ہونے سے قبل بس اس طرح یاد کرتے کہ کوئی ایک پارہ یا زیادہ آپ کو سُنا دیتا پھر آپ سُنا دیتے۔ 29 شعبان کے بعد سے شروع کیا اور 27 رمضان تک پورا قرآن حفظ کر لیا اور تراویح میں سُنا بھی دیا۔(ترجمان اہلِ سُنّت پیلی بھیت)

یہ واقعہ اِمام اعظم رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے کسی قدر مشابہت رکھتا ہے۔ ان کا محرک بھی یہی تھا کہ کسی نے کہہ دیا کہ پوری رات عبادت کرتے ہیں۔ یہاں بھی یہ کہ کسی نے حافظ لکھ دیا جبکہ باضابطہ حافظِ قرآن نہ تھے۔ خوف خدا ہو تو ایسی مشکل چیزیں مشکل نہیں رہ جاتیں اور قلب ایسا آمادہ ہوتا ہے کہ کر کے ہی دم لیتا ہے۔

تقوٰی کا اجمالی منظر:

اس طرح کے بہت سے واقعات اِمام اَحمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخِ زندگی سے وابستہ ہیں جن میں ان کا عرفان، خوفِ خدا اور پرہیز گاری و تقوٰی کا حسن و جمال صاف جھلکتا ہے۔ میں اجمالاً چند واقعات کی طرف اشارہ کرتا ہوں۔ مختلف اصنافِ تقوٰی کے جلوے نظر آئیں گے۔ تقسیم و تنویع سے صرفِ نظر کرتے ہوئے سبھی کو تقوٰی کے ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

1- حقوق العباد کی اہمیت کو اِمام اَحمد رضا کا قلبِ صافی خوب محسوس کرتا ہے۔ اس سلسلے میں ایک رسالہ بھی تحریر فرمایا ہے۔ "اَعْجَبُ الاِمْدَاد فی مُکَفِّرَاتِ حقوق العباد" (1310ھ) رمضان شریف میں بعد افطار صرف پان کھا لیتے اور سحری کے وقت ایک چھوٹے سے پیالہ میں فیرینی تناول فرماتے۔ زمانۂ اعتکاف میں ایک دن ملازم بچہ دو گھنٹے کی تاخیر سے پان لے کر آیا۔ حضرت نے اس کو ایک چپت مار کر فرمایا: اتنی

دیر میں لایا۔ اس ایک چپت مارنے پر انہیں رات بھر فکر رہی۔ آخر سحر کے وقت اسے بلوایا اور فرمایا کہ رات کو جو تاخیر ہوئی، اس میں تمہارا قصور نہ تھا۔ بھیجنے والے کی کوتاہی تھی۔ مجھ سے غلطی ہوئی کہ تمہیں چپت ماری۔ اب تم میرے سر پر چپت مارو۔ ٹوپی اتار کر اصرار فرماتے رہے۔ بچہ دم بخود کانپنے لگا۔ ہاتھ جوڑ کر عرض کیا: حضور! میں نے معاف کیا فرمایا: تم نابالغ ہو۔ تمہیں معاف کرنے کا حق نہیں۔ چپت مارو! پھر اپنا بکس منگوا کر مٹھی بھر پیسے نکالے اور فرمایا: یہ پیسے تم کو دوں گا۔ تم چپت مارو۔ آخر خود اس کا ہاتھ پکڑ کر بہت سی چپتیں اپنے سر پر لگائیں اور پھر اسے پیسے دے کر رخصت کیا۔

2- وقتِ وصال سے کچھ ایام پہلے کا چشم دید واقعہ مولانا جعفر شاہ پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ نماز جمعہ کے بعد اپنے ضعف و مرض کی حالت میں درد و اثر میں بھری ہوئی آواز میں چند وداعی کلمات کچھ اس طرح کہے:

> ''میری طرف سے تمام اہلِ سُنّت مسلمانوں کو سلام پہنچا دو اور میں نے کسی کا قصور کیا ہے تو میں اس سے بڑی عاجزی سے اس کی معافی مانگتا ہوں۔ مجھے خدا کیلئے معاف کر دو یا مجھ سے کوئی بدلہ لے لو''۔

(جہانِ رضا صفحہ 124 مضمون مولانا جعفر شاہ پھلواروی)

وصایا میں بھی وصال سے چند ماہ قبل کے ایک اجلاس اور خطاب کا ذکر ہے جس کے آخر میں فرمایا گیا: آپ حضرات نے کبھی مجھے کسی قسم کی تکلیف نہ پہنچنے دی۔ میرے کام آپ لوگوں نے خود کیے، مجھے نہ کرنے دیے۔ اللہ تعالیٰ آپ سب صاحبوں کو جزائے خیر دے۔ مجھے آپ صاحبوں سے امید ہے کہ قبر میں بھی اپنی جانب سے کسی قسم کی تکلیف کے باعث نہ ہوں گے۔ میں نے تمام اہلِسُنّت سے اپنے حقوق لوجہِ اللہ معاف کروا لیے ہیں۔ آپ لوگوں سے دست بستہ عرض ہے کہ مجھ سے جو کچھ آپ کے حقوق میں فروگزاشت ہوئی ہے، وہ سب معاف کر دیں اور حاضرین پر فرض ہے کہ جو حضرات موجود نہیں، ان سے معافی کرالیں۔ (وصایا شریف صفحہ 22)

3- گھر میں فوٹو اور تصویریں ہرگز برداشت نہ کرتے۔ وقتِ وصال روپے پیسے تک بھی

نکلوائے کہ ملائکۂ رحمت کی تشریف آوری میں کسی طرح کا شبہ بھی نہ رہ جائے۔

-4 تواضع وانکساری کی یہ حالت تھی کہ ایک بار پیلی بھیت آتے وقت ٹرین میں تاخیر تھی تو اسٹیشن پر آرام کرسی بیٹھنے کو دی گئی۔ فرمایا: یہ تو بڑی متکبرانہ کرسی ہے۔ تشریف فرما ہوئے مگر پشت نہ لگائی اور وظائف میں مشغول رہے۔ کسی صاحب کو اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں ایک مسلمان حجام کے برابر بیٹھنا پڑا تو آئندہ انہوں نے آنا ہی ترک کر دیا۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: میں بھی ایسے متکبر کو پسند نہیں کرتا۔

-5 اطاعتِ والدین میں بھی ان کی مثال پیش کرنی مشکل ہے۔ والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد اپنی پوری باگ ڈور والدہ ماجدہ رحمۃ اللہ علیہا کے ہاتھ میں دے رکھی تھی۔ بے اذن نفل بھی گوارا نہ کیا۔ جو کچھ رقوم ہوتیں، سب والدہ کی خدمت میں حاضر کر دیتے۔ ان کی اجازت کے بغیر کتابیں بھی نہ خریدتے۔

-6 علمائے اسلام کی توقیر وتعظیم میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ ہونے دیتے۔ علامہ شامی اور محقق علی الاطلاق جیسے اکابر کی باتوں پر کلام کرتے ہیں مگر ادب اور تواضع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے جب کہ آج اکابر پر اس طرح حرف گیری کی جاتی ہے کہ وہ طفلِ مکتب معلوم ہوں۔ یہ ان لوگوں کا حال ہے جنہیں اِمام اَحمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے علوم کا پچاسواں حصہ بھی نصیب نہیں۔ ایک جگہ ردّ المحتار میں علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: اس اعتراض کا حل ہماری سمجھ میں نہ آیا۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جَدُّ المُمتار میں اس پر لکھا:

وظهر لنا ببركة خدمة كلماتكم۔

''آپ کے کلمات پر کام کرنے کی برکت سے ہمیں سمجھ میں آ گیا''۔

شانِ علماء کا ذکر فرماتے ہوئے ایک قصیدہ میں لکھا ہے:

اِذَا حَلُّوا تَمَصَّرتِ البَوَادی

اِذَا رَاحُوْا فَصَارَ المِصر بِیدا

''یہ حضرات جب کہیں فروکش ہوں تو جنگل شہر بن جائیں اور جب رخصت ہوں تو شہر جنگل بن جائیں''۔

ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا: یہ تو شاعرانہ مبالغہ معلوم ہوتا ہے۔فرمایا:

''حقیقت ہے۔ مولانا عبد القادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ جب تشریف فرما ہوتے تو پورے شہر میں چہل پہل نظر آتی۔ عجب کیف وسرور کا سماں ہوتا۔ واپس چلے جاتے تو معلوم ہوتا ویرانی چھاگئی حالانکہ ان کے سوا سبھی موجود ہوتے''۔

(حیات اعلیٰ حضرت صفحہ 196،44)

یہی وجہ ہے کہ مولانا عبدالحق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں ''ہمارا بدایونی خبطی'' کہا تو اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ مولانا عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر میں اپنے غضبِ دینی کو براشت نہ کرسکے پھر بھی باادب جواب دیا کہ سب سے پہلے ردِّ وہابیہ آپ کے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے۔ ''تحقیق الفتوی فی اِبطال الطغوٰی'' مولوی اسماعیل دہلوی کی تفویت الایمان کے ردّ میں پہلی کتاب ہے جو آپ کے والد ماجد مولانا فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے تصنیف کی۔ (حیات اعلیٰ حضرت)

7- حق گوئی اور صلابتِ دینی کی مثالیں ایک سے ایک ہیں۔ مولانا فضل رسول بدایونی رحمۃ اللہ علیہ کے عرس میں ایک بار شرکت فرمائی۔ مولوی سراج الدین آنولوی کوئی میلاد خواں واعظ تھے۔ انھوں نے دورانِ تقریر یہ کہا کہ ''پہلے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک میں فرشتے روح ڈالیں گے''۔ چونکہ اس میں حیاتِ انبیاء کے مسلمہ اصول سے انکار نکلتا تھا۔ یہ سن کر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا چہرہ متغیر ہوگیا اور مولانا عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا: آپ اجازت دیں تو ان کو منبر سے اتار دوں۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ان کو بیان سے روک دیا اور مولانا عبدالمقتدر صاحب سے فرمایا کہ ایسے بے علم لوگوں کو مولانا اَحمد رضا خاں کے سامنے میلاد شریف پڑھنے نہ بیٹھایا کیجئے جن کے سامنے بیان کرنے والے کیلئے علم اور زبان کو بہت نگاہ رکھنے کی ضرورت ہے۔

اسی سلسلے میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''انہی وجوہ سے آج کل کے واعظین اور میلاد خوانوں کے بیانوں، وعظوں میں جانا چھوڑ دیا اور حضرت شاہ علی حسین صاحب اشرفی میاں کچھوچھوی

رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فرمایا کہ حضرت ان میں سے ہیں جن کا بیان میں بخوشی سنتا ہوں''۔ (حیاتِ اعلیٰ حضرت صفحہ 184و185)

یہ حصہ بھی خاص طور سے قابل غور ہے کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اشرفی میاں کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ اگر چہ باضابطہ سندی عالم نہ تھے مگر علمِ باطن نے علم ظاہر میں بھی انھیں ایسا پختہ کار بنا دیا تھا کہ اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ جیسا محقق عالم و عارف ان کا بیان بخوشی سنتا۔ اسی لئے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ کوئی صوفی علم ظاہر سے خالی نہ ہوگا اور جو خالی ہو وہ صوفی نہیں، مسخرۂ شیطان ہے۔ (مقال عرفاء باعزاز شرع وعلماء وغیرہ)

8- خدمت دینی پر اپنوں کی مدح اور غیروں کی قدح انسان کو عُجب و کبر یا نفسانی غصہ و انتقام میں مبتلا کر دیا کرتے ہیں مگر امام اَحمد رضا رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بخدا میں نہ ان اکابر علماء و اولیاء کی مدح پر اِتراتا ہوں نہ ان دشمنانِ خدا و رسول کی گالیوں سے غصہ میں آتا ہوں۔ خدا کا شکر ہے کہ اُس ناچیز کو اس قابل بنایا کہ اس کے حبیب پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ناموس کی حفاظت میں گالیاں سنے۔ جتنی دیر وہ مجھے گالیاں دیتے ہیں اتنی دیر تو میرے آقا کی بدگوئی سے باز رہتے ہیں۔

9- آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ساری زندگی کا نقشہ یہ ہے:

نہ مرانوش زتحسین نہ مرانیش زطعن
نہ مرا گوش بہ مدحے نہ مرا ہوش ذمے

ان کے اخلاق و عادات اور اتباعِ شرع کا بیان کہاں تک ہو۔ ایک عینی مشاہدہ مولانا سید شاہ ابوسلمان محمد عبدالمنان قادری رحمۃ اللہ علیہ جو ابتداءً اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے مخالف تھے، انہوں نے یہ تحریری بیان دیا:

''اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اخلاق نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کی ایک زندہ مثال ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت نے تمام و کمال فقیر پر یہ ثابت کر دیا کہ جو کچھ بھی آپ کی تعریفیں ہوتی ہیں، وہ کم ہیں''۔ (حیاتِ اعلیٰ حضرت صفحہ 206)

10- احتیاط فی القول کا یہ حال تھا کہ کسی حل یا جواب میں ذرا بھی خامی و غلطی ہوتی تو اُسے

''صحیح'' کہنے سے پرہیز کرتے۔ سیّد ایوب علی رضوی رحمۃ اللہ علیہ نے رمضان المبارک ۱۳۳۵ھ کے اوقاتِ نمازِ پنجگانہ کا نقشہ بنا کر بھیجا۔ دس پندرہ منٹ بعد اصلاح کے ساتھ واپس آیا۔ جہاں جہاں بھی خامی تھی، اس پر غلط کا نشان اور جو صحیح تھا، اس پر صحیح کا نشان بنا دیا گیا تھا۔ ایک خانہ میں بجائے صحیح کے ''خیر'' لکھا تھا۔ غور کیا تو سیکنڈ کے ہزارویں حصے کی غلطی تھی جس سے اوقات پر کوئی اثر نہیں آتا مگر غلطی بہرحال غلطی اس لئے صحیح کا نشان نہ دیا بلکہ خیر لکھا تھا۔

11- پیلی بھیت کے مشہور بزرگ شاہ جی محمد شیر میاں رحمۃ اللہ علیہ سے ملنے محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ تشریف لے گئے۔ دیکھا کہ شاہ صاحب بے حجابانہ عورتوں سے بیعت لے رہے ہیں۔ احکامِ شرع پر کمالِ غیرت کے باعث اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ بغیر ملے واپس تشریف لے آئے۔ کوئی دوسرا ہوتا تو بگڑ جاتا مگر شاہ صاحب کی بے نفسی وحق پسندی کا کمال اس طرح جلوہ گر ہوا کہ شام کو اسٹیشن تک چھوڑنے تشریف لائے اور صبح کے واقعہ پر اظہارِ افسوس کے ساتھ کہا: مولانا! اب آئندہ میں عورتوں کو پسِ پردہ بٹھا کر بیعت لیا کروں گا۔ اس کے بعد اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے مصافحہ اور معانقہ فرمایا۔ (حیات اعلیٰ حضرت صفحہ 180)

12- مسجد میں وضو کا مستعمل پانی گرانا جائز نہیں خواہ وہی پانی ہو جو اعضاء پر لگا رہ جاتا ہے۔ ایک بار سخت سردی میں شدید بارش ہو رہی تھی۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ معتکف تھے۔ باہر وضو کی صورت نظر نہ آئی۔ لحاف کو چار تہ کر کے اس پر وضو کیا۔ ایک قطرہ بھی فرش پر گرنے نہ دیا اور پوری رات سردی میں ٹھٹھر کر بسر کی۔

11- اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ جب مسجد میں داخل ہوتے تو دایاں پاؤں آگے بڑھاتے۔ ہر صف کو دایاں قدم بڑھاتے ہوئے عبور کرتے اور محراب تک مصلّے پر پہنچ جاتے۔ فرض نماز صرف کُرتے اور ٹوپی پر بغیر عمامہ کے کبھی نہ ادا کی۔

13- دُکھتی آنکھوں سے جو پانی گرے، وُہ ناقضِ وضو ہے۔ ایک بار آشوبِ چشم تھا تو ہر نماز کے بعد کسی کو آنکھ دکھا لیتے کہ پانی حلقۂ چشم سے باہر تو نہیں آیا ورنہ دوبارہ وضو کرتے

نماز لوٹانی ہوگی۔

14- لَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا پر عمل کیا تو ایسا کیا کہ سبک خرامی دیدنی ہوتی۔ قدموں کی آہٹ پانا بھی مشکل تھا۔ بارہا ایسا ہوا کہ قریب پہنچ کر خود تقدیم سلام کی تو خدام کو آنے کی خبر ہوئی۔ سونے میں اسمِ رسالت ''محمد'' (صلی اللہ علیہ وسلم) کا نقشہ ہوتا۔ غرباء کی دلجوئی کا بڑا خیال تھا۔ مخلص غرباء کی دعوت نہ رد کرتے نہ بعد میں کوئی حرفِ شکایت زبان پر لاتے بلکہ خدام کو حیرت ہوتی کہ کھانا کیسے تناول فرمایا تو ارشاد ہوتا: ایسی خلوص کی دعوت ہو تو میں روزانہ قبول کرنے کو تیار ہوں۔ خط بنواتے وقت اپنی کنگھی اور شیشہ استعمال کرتے۔ قبلہ کی طرف نہ کبھی پاؤں دراز کیا نہ منہ کر کے تھوکا۔ ان عادات کو دیکھ کر امام الائمہ سراج الأمہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی یاد تازہ ہوتی ہے۔

15- حدیث شریف کے مطابق تہمت کی جگہوں سے بھی پرہیز کرتے۔ مٹی کا تیل چونکہ بدبودار ہوتا ہے، اس لئے مسجد میں جلانا ناجائز ہے۔ ایک بار حاجی کفایت اللہ صاحب نے لالٹین میں ارنڈی کا تیل بھر کر جلایا۔ فرمایا: حاجی صاحب! اسے باہر کیجئے۔ ورنہ لوگوں کو بتاتے رہیے کہ اس میں مٹی کا تیل نہیں، ارنڈی کا تیل ہے۔ راہ چلتے لوگ تو یہی سمجھیں گے کہ دوسروں کو مسجد میں بدبودار تیل جلانے سے ممانعت کی جاتی ہے اور خود اپنی مسجد میں جلاتے ہیں۔ آخر حاجی صاحب نے باہر کر دیا۔

16- کسی عالم نے بہ نیتِ اعتکاف مسجد میں قیام کیا اور پان وغیرہ بھی کھایا، اُگالدان بھی رکھا۔ بعض لوگ جو اُن کی نیتِ اعتکاف سے باخبر نہ تھے، معترض ہوئے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پاس سوال آیا۔ اعتراض کرنے والوں کو حکمِ مسئلہ اور مرتبۂ عالم بتاتے ہوئے تنبیہ کی۔ آخر میں یہ بھی لکھا:

''علماء کو چاہئے کہ اگرچہ خود نیتِ صحیحہ رکھتے ہوں، عوام کے سامنے ایسے افعال جن سے ان کا خیال پریشان ہو نہ کریں کہ اس میں دو فتنے ہیں:

(i) جو معتقد نہیں ان کا معترض ہونا، غیبت کی بلا میں پڑنا، علم کے فیض سے محروم رہنا۔

(ii) جو معتقد ہیں ان کا اس کے افعال کو دستاویز بنا کر بے علمِ نیت خود مرتکب ہونا۔

عالم فرقۂ ملامتیہ سے نہیں کہ اپنی طرف رغبت دلانے میں ان کا نفع ہے۔

حدیث میں ہے:

رَاسُ الْعَقْلِ بَعْدَ الْاِیْمَانِ بِاللّٰہِ التَّوَدُّدُ اِلَی النَّاسِ۔

''اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کے بعد لوگوں کے ساتھ دوستانہ مُعاملات رکھنا ہے''۔

دوسری حدیث میں ہے:

بَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا۔

''خوشخبری سُناؤ اور نفرت نہ پیدا کرو''۔

اَحیاناً ایسے افعال کی حاجت ہو تو اعلان کے ساتھ اپنی نیت اور مسئلۂ شریعت عوام کو بتا دے''۔ (فتاوٰی رضویہ جلد 3 صفحہ 596)

17- حامد علی خاں نواب آف رامپور سے حضرت مہدی میاں کے مراسم تھے۔ ایک بار اُنہوں نے چاہا کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے ملاقات کراؤں۔ نواب کے ساتھ اسپیشل ٹرین سے سفر میں تھے۔ بریلی اسٹیشن سے مدار المہام کی معرفت ڈیڑھ ہزار کی نذر بھیجی اور پیغام کہلایا کہ میاں نے دیا ہے اور نواب کو ملاقات کا موقع دیا جائے۔ جواباً اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے دروازہ کی چوکھٹ پر کھڑے کھڑے مدار المہام سے فرمایا: بعد سلام اُن سے کہئے: یہ اُلٹی نذر کیسی؟ مجھے چاہئے کہ میاں کی خدمت میں نذر پیش کروں نہ کہ میاں مجھے نذر دیں۔ اس نے کہا: حضور! ڈیڑھ ہزار ہیں (جو آج کے سکّے میں قریباً 75 ہزار کے برابر ہوں گے)۔ فرمایا: جو بھی ہو واپس لے جائیے! فقیر کا مکان نہ اس قابل کہ کسی والیِ ریاست کو بلا سکوں اور نہ میں والیانِ ریاست کے آداب سے واقف کہ خود جا سکوں۔ (حیات اعلیٰ حضرت)

18- ایک صاحب داخلِ سلسلہ ہو کر کسی وظیفہ کے خواہشمند ہوئے۔ ان کی داڑھی حدِ شرع سے کم تھی۔ فرمایا: جب داڑھی شرع کے مطابق ہو جائے گی، تب وظیفہ بتایا جائے گا

کچھ دنوں بعد پھر درخواست کی۔ فرمایا: کسی کی ضرورت نہیں۔ جب داڑھی شرع کے مطابق ہو جائے گی خود ہی وظیفہ بتا دیا جائے گا یعنی نفل پر واجب مقدم ہے۔

تصوُّف کی کتابوں میں بعض حضرات کیلئے دقائق وحقائق سے زیادہ تاثیر صوفیہ وصلحاء کے واقعات وحکایات میں ہوتی ہے۔ اسی لئے میں نے اس مضمون میں واقعات کو بھی دخل دیا ہے جس سے اپنے مدعا کے اثبات کے علاوہ یہ بھی مقصود ہے کہ آج کے مادّی دور میں اہلِ تصوُّف امام اَحمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے ان عملی نمونوں کو مشعلِ راہ بنا سکیں۔ تاہم ناقدین کی طرف سے اندیشہ ہے اس لئے ایک اور شہادت پر اس حصہ کو ختم کرتا ہوں۔

کسی کی زندگی معلوم کرنے کیلئے اس کے پڑوسیوں کا بیان خاص طور سے قابلِ غور ہوتا ہے۔ پڑوسیوں سے کچھ نہ کچھ نزاع ہو ہی جاتا ہے۔ اس لئے بعض ایسے بھی ملتے ہیں کہ اپنے دُنیوی نقصان کے باعث اپنے نیک پڑوسیوں کی بھی بے جا شکایت کرتے ہیں مگر امام اَحمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے پڑوسی بھی ان کے معترف نظر آتے ہیں۔

محمد شاہ خان عرف حاجی منتھن خان ایک معزز زمیندار اور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پڑوسی تھے۔ عمر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ تھی۔ سید ایوب علی رحمۃ اللہ علیہ اور سید قناعت علی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن دیکھا کہ یہ اپنی زمینداری اور سن رسیدگی کے باوجود بڑے ادب سے آستانۂ رضویہ کی جاروب کشی کر رہے ہیں۔ سید قناعت علی صاحب کو گوارا نہ ہوا، آگے بڑھ کر ان کے ہاتھ سے جھاڑو لینا چاہی مگر حاجی صاحب نہ مانے اور فرمانے لگے: صاحبزادے! یہ میرا فخر ہے کہ اپنے شیخ کے آستانۂ عالیہ کی جاروب کشی کروں (ان لوگوں کو ابھی معلوم نہ تھا کہ یہ بھی داخلِ ارادت ہیں)۔ فرمایا: میں عمر میں حضور سے بڑا ہوں۔ ان کا بچپن دیکھا، جوانی دیکھی اور اب بڑھاپا دیکھ رہا ہوں۔ ہر حالت میں یکتائے زمانہ پایا تب ہاتھ میں ہاتھ دیا۔ بڑھاپے میں تو ہر کوئی بزرگ ہو جاتا ہے۔ انہیں بچپن میں ضرب المثل اور یکتائے روزگار دیکھا۔ (حیات اعلیٰ حضرت صفحہ 25)

؎ یہاں آ کر ملیں نہریں شریعت اور طریقت کی
ہے سینہ مجمع البحرین ایسے رہنما تم ہو

تواضُع اور محاسبہ نفس:

تصوُّف کی بنیادی شرط یہ ہے کہ اپنے آپ کو سب سے حقیر سمجھے۔ نفس کے خیالات و حرکات کا برابر محاسبہ کرتا رہے۔ اسی لیے ہم بڑے بڑے اولیائے کاملین کو دیکھتے ہیں کہ وہ خوفِ خاتمہ سے کانپتے ہوئے نظر آتے ہیں اور برابر اپنے آپ کو گنہگار ہی کہتے، لکھتے رہتے ہیں۔ ان کا یہ کہنا نہ تو صرف زبانی ہوتا ہے اور نہ یہ کہ ان کا گناہ ہمارے جیسا گناہ ہوتا ہے۔ بات صرف یہ ہے کہ ان کا عرفان ہماری معرفت سے بدرجہا زائد ہوتا ہے اور ہمارے خوفِ خدا کو ان کی خشیتِ الٰہی سے کوئی نسبت نہیں۔ ہم صریح گناہ کر کے بھی نہ خدا سے ڈریں نہ رسول اور خلق سے شرمائیں مگر ان کا حال ہی کچھ اور ہے۔ وہ جتنی بھی عبادت کرتے ہیں، اپنے رب کے حضور اسے کچھ نہیں سمجھتے اور یہی خیال رکھتے ہیں کہ

؎ حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اولیاء تو اولیاء سید الانبیاء علیہ وعلیھم التحیّۃ والثناء برابر استغفار کیا کرتے تھے جبکہ انبیاء سے گناہ کا صدور محال ہے۔ دوسری طرف اولیاء کا حال یہ بھی ہے کہ اگر بارگاہِ ذو الجلال کے ادب اور شریعت کے حکمِ اولیٰ و اَحبّ کے خلاف بھی ان سے کچھ ہو جاتا ہے تو اسے بہت بڑا گناہ سمجھتے رہتے ہیں۔

علامہ ابن الجوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اکابر اولیاء کے اس طرح کے بیشمار واقعات لکھے ہیں جن میں سے ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے: ''ایک بار بازار میں آگ لگی جس میں حضرت سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی دوکان تھی۔ انہیں خبر ہوئی تو دیکھنے گئے۔ کسی نے بتایا: آپ کی دوکان محفوظ ہے۔ زبان سے نکلا: ''الحمد للہ''۔ پھر فوراً اپنا محاسبہ کیا کہ اور مسلمانوں کی دوکانیں جل گئیں، تیری بچ گئی تو یہ الحمد للہ کہنے کا کیا موقع تھا؟ ایک موقع پر فرمایا: اس ''الحمد للہ'' پر تیس سال سے استغفار کر رہا ہوں۔ (صفۃ الصفوۃ جلد 2 صفحہ 215)

واقعہ سے اندازہ کر لیں کہ ان کے گناہ اور استغفار کی نوعیت کیا تھی۔

اِمام اَحمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی پاک زندگی میں صوفیہ کا یہ عملی جوہر بھی بڑی آب و تاب سے نظر آتا ہے۔ ان کے اشعار سے اندازہ ہوتا ہے کہ نفس کا کیسا سخت محاسبہ رکھتے تھے اور بعض

عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو کیسا کچھ کہا کرتے تھے اور بلا شبہ اس میں تصنع اور بناوٹ کو کچھ دخل نہ تھا کہ اس کا حکم تو عُجب و کبر سے بھی سخت ہوگا۔ جو خدا کا خوف رکھتا ہو، وہ کبھی جھوٹے انکسار و تواضع کا مرتکب نہ ہوگا۔

فرماتے ہیں:

نفس! یہ کیا ظلم ہے جب دیکھو تازہ جرم ہے
ناتواں کے سر پر اتنا بوجھ بھاری واہ واہ

خصوصاً جہاں شفاعتِ سرکار کا ذکر لاتے ہیں، وہاں اپنے نفس کا محاسبہ کرتے ہوئے اپنی گنہ گاری کا تذکرہ کچھ عجیب انداز میں کرتے ہیں:

دعوٰی ہے سب سے تیری شفاعت پہ بیشتر
دفتر میں عاصیوں کے شہا انتخاب ہوں

خشک ہے خون کہ دشمن ظالم
سخت خونخوار ہے کیا ہونا ہے
ارے! او مجرمِ بے پروا! دیکھ!
سر پہ تلوار ہے کیا ہونا ہے
کام زنداں کے کئے اور ہمیں
شوقِ گلزار ہے کیا ہونا ہے

بعض بے خرد نوافل گزار ایسے ہیں کہ دوسروں کو ترکِ نفل پر بہت بُرا کہتے ہیں۔ غیبتیں بھی کرڈالتے ہیں۔ اِس ارتکابِ حرام سے تو اُس نفل و مستحب کا ترک ہی اچھا تھا۔ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے زمانے میں روسر کی شکر کا مسئلہ پیش آیا۔ "الاحلیٰ من السُّکر لطلبة سُکّر روسَر" (1303ھ) میں بڑا ہی عالمانہ و محققانہ جواب سپردِ قلم فرمایا جس سے فی الجملہ اس شکر کی حلت ثابت ہوتی ہے۔ کسی کو شبہ ہوسکتا تھا کہ شاید آں جناب خود استعمال فرماتے ہوں اس لئے اتنی کاوش فرمائی۔ رسالہ کے آخر میں رقمطراز ہیں:

"فقیر غفر اللہ تعالیٰ لہٗ نے آج تک اس شکر کی صورت نہ دیکھی، نہ کبھی اپنے

یہاں منگائی، نہ آگے منگائے جانے کا قصد مگر بایں ہمہ ہرگز ممانعت نہیں مانتا نہ جو مسلمان استعمال کریں، (اُنہیں) آثم خواہ بے باک جانتا ہے نہ تورُّع و احتیاط کا نام بدنام کر کے عوام مومنین پر طعن کرے نہ اپنے نفسِ ذلیل مہین رذیل کیلئے ان پر ترفُّع و تعلّی روا رکھے۔ وَبِاللّٰہِ التَّوفِیقُ۔

(فتاوٰی رضویہ جلد 2 صفحہ 109:110)

آخری جملہ بار بار پڑھیے! اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا فتاوٰی شریفہ انکسار و تواضع کا کامل نمونہ بھی ہے اور درسِ عبرت بھی۔ پرانے شہر بریلی کے ایک سائل نے دوبار استفتاء میں لکھا: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین'' اور آخر میں یہ کہ ''جواب میں کسی کی رُو رعایت نہ کی جائے''۔

دوسری بار اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جوابِ سوال کے بعد لکھا:

''اتنی بات اور گزارش ہے کہ بے ادب سائل ہونا نہ چاہئے۔ سوال کیا جائے علمائے کرام سے کہ ''کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین'' اور آخر میں ہدایت یہ کی جائے کہ ''رُو رعایت کسی کی نہ پائی جائے''۔ یہ کھلی دریدہ دہنی ہے۔ علماء دین ومفتیانِ شرع متین کو کسی کی رُو رعایت سے کیا تعلق؟ جو احکامِ الٰہیہ ہیں، بتاتے ہیں۔ جو کسی کی رُو رعایت سے معاذ اللہ قصداً غلط حکم بتائیں، وہ علمائے دین کب ہوئے، نائبانِ شیاطین ہوئے۔

پہلے بھی ایک سوال میں یہ تنبیہ وتوبیخ کے کلمات اس سائل نے لکھے تھے اس پر چشم پوشی کی گئی۔ اب یہ دوسری بار ہے لہٰذا اطلاع دی گئی۔ سائل کو اگر ان الفاظ کے لکھنے کی ضرورت ہے ہی تو شروع سوال میں علماء دین مطلق نہ لکھا کرے جس سے توہینِ علماء پیدا ہو بلکہ خاص اس فقیر کا نام لکھ کر اخیر میں جیسے الفاظ چاہے، لکھے۔ (فتاوٰی رضویہ جلد 11 صفحہ 92)

اخیر کا حصہ خاص طور سے قابلِ غور ہے کہ اگر صرف فقیر کا نام ہو تو جو چاہے لکھ سکتا ہے اور یہ صرف زبانی تواضع نہیں بلکہ ایک شخص نے خاص ان کا نام لے کر اس طرح کی باتیں

کیں تو اسے توہین کا مرتکب نہ کہا، نہ ایسی تنبیہ کی بلکہ صرف اپنی صفائی پیش کی۔

''کسی نے کہا تھا کہ میں نے مولوی احمد رضا خاں صاحب کو ایک عریضہ بھیجا اور اس میں استفتاء چراغاں کیا اور جواب کیلئے ٹکٹ رکھ دیے لیکن خان صاحب موصوف نے اس کا جواب نہیں دیا۔ مشکل یہ ہے کہ اگر حق جواب لکھا جاوے تو پیر زادے ناخوش ہوتے ہیں اگر ناحق لکھا جاوے تو قرآن وحدیث کے خلاف ہوتا ہے''۔ (فتاویٰ رضویہ جلد 4 صفحہ 143)

جواباً فرماتے ہیں:

''فقیر کے پاس سے جوابِ مسئلہ نہ پہنچنے کو پیر زادوں کی رعایت کے سبب سکوت عن الحق پر محمول کیا۔ فتاوائے فقیر میں اس سوال کے جواب میں متعدد مقامات پر مذکور، سالہا سال سے اس پر مستقل فتوی مرقوم۔ خاص اس بات میں چھبیس برس سے رسالہ ''طوالع النور'' مکتوب پھر رعایت وخوف سے سکوت کیا معنی؟

فقیر کے یہاں علاوہ ردِ وہابیہ خذلھم اللّٰہ تعالیٰ ودیگر مشاغل کثیرہ دینیہ کے کارِ فتوٰی اس درجہ وافر ہے کہ دس مفتیوں کے کام سے زائد ہے۔ استفتے ملک وبیرون سے ایک ایک وقت پانچ پانچ سو جمع ہو جاتے ہیں۔ ان صاحب کا استفتاء باوصف تلاشِ کاغذات میں نہ ملا۔ ممکن ہے کہ ہجومِ انبار میں نہ ہو یا بھیجا ہی نہ ہو اور جس طرح اہل اللہ پر تعبّدِ غیر کا خیال بندھ گیا اس کا بھیجنا متخیل ہوا ہو۔ بہر حال رعایت کی یہ صورت نہیں ہوتی''۔ (فتاویٰ رضویہ جلد 4 صفحہ 149 ملخصاً)

ایسے ہی خاص اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے نام ایک صاحب نے احمد آباد سے لکھا کہ یہاں نا اتفاقی پھیلی ہوئی ہے۔ کئی فتووں پر آپ کی مہر دیکھی جس سے معلوم ہوا کہ آپ ہر دو جانب کی گفت وشنید نہیں سنتے۔ ایک ہی طرف کی بات سُن کر حکم لگانا ناانصافی ہے۔ اس کے جواب میں حقیقتِ حال، منصبِ مفتی اور حکمِ مسئلہ بیان کرنے کے بعد رقم طراز ہیں:

''فقیر آپ صاحبوں کا ممنونِ احسان ہے کہ اپنے نزدیک جو عیب اپنے بھائی

مسلمان یعنی اس فقیر میں سمجھا، اُس سے مطلع فرمایا: مجھ پر فرض تھا کہ بات ٹھیک ہوتی تو تسلیم کرتا۔ اب کہ باطل ہے۔ اس کا بطلان آپ کو دِکھا دیا۔ ماننا آپ صاحبوں کا کام ہے۔ سُنّی بھائیوں کو آپس میں ایک رہنا لازم ہے۔ سنّیوں پر دشمنانِ دین کے لام کیا تھوڑے بندھ رہے ہیں کہ آپس میں بھی خانہ جنگی کریں اور نہ ہو سکے تو اتنا ضرور ہے کہ دنیوی رنجش کو دین میں دخل نہ دیں۔

(فتاوٰی رضویہ جلد 6 صفحہ 412)

اخلاص اور حسنِ نیت:

ظاہری اعمال کی پابندی بہت سے لوگوں میں دیکھی جا سکتی ہے۔ خوارج و وہابیہ اور فرقۂ معتزلہ میں ایک سے ایک عابدِ مُرتاض اور زاہدِ متقشّف دیکھے جا سکتے ہیں لیکن صحتِ ایمان کے بعد حسنِ عمل اسی وقت کارآمد ہے جب اس کی بنیاد للّٰہیّت اور خلوصِ نیت پر ہو۔ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے خانگی معاملات، علمی خدمات اور عملی مجاہدات میں یہی اخلاص جلوہ فرما تھا۔

حضرت جنید بغدادی علیہ الرحمۃ نے صاحبِ اولاد ہونے کے باوجود اپنے خادم سے فرمایا: دریا کے اس پار رہنے والے درویش کی خدمت میں کھانا دے آؤ اور دریا سے کہہ دینا کہ میں اس کا بھیجا ہوا ہوں جو کبھی اپنی بیوی کے پاس نہ گیا۔ دریا راستہ دیدے گا۔ واپسی کے وقت درویش نے کھانا کھا کر فرمایا: جاؤ! دریا سے کہہ دینا: میں اس کے پاس سے آیا ہوں جس نے کبھی کھانا نہ کھایا تو دریا راستہ دیدے گا اور واقعی اس نے دونوں بار راستہ دیدیا۔ ان کی حیرت پر حضرت سید الاولیاء جنید بغدادی علیہ الرحمۃ نے فرمایا: ہمارا کوئی کام اپنے لئے نہیں ہوتا۔

یہ اخلاص اور حسن نیت کے نتائج اور ثمرات ہیں۔ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

''لاکھوں مسائل و احکام فرقِ نیت سے متبدّل ہو جاتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ وَ اِنَّمَا لِکُلِّ امْرِیءٍ مَّا نَوٰی۔

''اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کیلئے اُس کی نیت کے مطابق ہی اجر ہے''۔

علمِ نیت ایک عظیم واسع علم ہے جسے علمائے ماہرین ہی جانتے ہیں۔عوام بیچارے فرق پر مطلع نہ ہو کر ان کے افعال کو اپنی حرکات پر قیاس کرتے اور حکم لگا دیتے اور کارِ پاکاں را قیاس از خود گیر کے مورد بنتے ہیں''۔

(فتاوٰی رضویہ جلد 3 صفحہ 596)

ایک بار اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا گیا: بچے سے محبت تو اپنا بچہ ہونے کی بنا پر ہوتی ہے، اللہ کے واسطے کون کرتا ہے؟ ارشاد فرمایا:

''الحمد للہ کہ میں نے مال من حیث ہو، مال سے کبھی محبت نہ رکھی۔صرف انفاق فی سبیل اللہ کیلئے اس سے محبت ہے۔اسی طرح اولاد من حیث ہو، اولاد سے بھی محبت نہیں۔صرف اس سبب سے کہ صلۂ رحم عملِ نیک ہے۔اس کا سبب اولاد ہے اور یہ میری اختیاری بات نہیں، میری طبیعت کا تقاضا ہے''۔

(ملفوظات حصہ 4 صفحہ 56)

یہ وہی صورت ہے جو سیدنا جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے ارشاد فرمائی کہ ہمارا کوئی عمل اپنے لئے نہیں ہوتا۔خدا کیلئے عمل اور دنیا کو دین کے تابع کرنا کوئی ان بندگانِ خدا سے سیکھے۔

سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''ولایت کی تین علامتیں ہیں:

1- ہر چیز میں اللہ عزوجل ہی سے نیاز مندی و استغناء باللہ۔

2- ہر چیز میں قناعت باللہ

3- ہر چیز میں رجوع الی اللہ''۔ (کشکول فقیر قادری صفحہ 23)

یہ نقشہ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی میں دیکھا جا سکتا ہے۔چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ مولانا عبد السلام جبل پوری رحمۃ اللہ علیہ کے نام ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''ڈھائی سال سے اگرچہ امراض درد کمر و مثانہ و سر وغیرہا امراض کا للازم ہو گئے ہیں۔قیام و قعود، رکوع و سجود بذریعہ عصا ہے مگر الحمد للہ کہ دین حق پر استقامت

عطا فرمائی ہے۔ کثرت اعداء روز افزوں ہے اور حفظِ الٰہی تفضیلِ نامتناہی شاملِ حال ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

باایں ضعفِ بدن وقوتِ محن وکثرتِ فتن بحمد اللہ تعالیٰ اپنے کاموں سے معطّل نہیں۔ اللہ ورسول جل وعلا وصلی اللہ علیہ وسلم کے سوا ظاہری معین ومددگار عنقا ہے اور ان کے سوا کسی کی حاجت بھی کیا ہے؟'' (اکرام امام احمد رضا صفحہ 128و129)

یہ وہی استغناء باللہ، قناعت باللہ، اور رجوع الی اللہ ہے جسے سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ نے علاماتِ ولایت بتایا۔ حقیقت یہی ہے کہ لذتِ آشنائی نے ان کو دونوں عالم سے بے نیاز کر دیا تھا۔ خود فرماتے ہیں:

مالِ دنیا تو کوئی چیز نہیں ہے سرمد
آنکھ اٹھا کر نہ کبھی دیکھوں سوئے ملک ابد

سب یہ الفت کی بدولت ہے غنائے بے حد
حبذا آفریں اے دولتِ عشق احمد!

میں گدائی کے بھی پردہ میں سکندر نکلا

وہ اپنی دینی خدمات پر کبھی اجرتِ دنیا کے طالب نہ ہوئے۔ بعض حضرات نے ناواقفی میں استفتاء کے ساتھ یہ بھی پوچھا کہ فتوے کی فیس کیا ہوگی؟ جواباً تحریر فرمایا:

''یہاں الحمد للہ تعالیٰ فتویٰ پر کوئی فیس نہیں لی جاتی۔ کبھی ایک پیسہ نہ لیا گیا اور نہ لیا جائے گا بعونہٖ تعالیٰ ولہ الحمد۔ معلوم نہیں کون لوگ ایسے پست ہمت ہیں جنہوں نے یہ صیغہ کسب کا اختیار کر رکھا ہے۔ جس کے باعث دور دور کے ناواقف مسلمان کئی بار پوچھ چکے ہیں کہ فیس کیا ہوگی؟ بھائیو!

مَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعَالَمِیْنَ۔

''میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو سارے جہان کے پروردگار پر ہے اگر وہ چاہے''۔ (فتاویٰ رضویہ جلد 3 صفحہ 230)

ہزارہا فتاویٰ میں نے کھنگالے۔ بہت سی ضمنی باتیں جو خطوط میں ہوتی ہیں، آگئی ہیں

مگر کسی جگہ یہ نہ ملا کہ جواب کیلئے لفافہ یا ٹکٹ نہ تھا اس لیے جواب نہ گیا یا دیر ہوئی نہ کسی کو یہ تنبیہ ملتی ہے کہ جواب کیلئے ٹکٹ رکھا کریں برخلاف اس کے ایسا ضرور ملتا ہے کہ بعض علم دوست حضرات کا شوق دیکھ کر بلا طلب ان کے پاس رجسٹری سے کتاب عاریۃً بھیج دی اور لکھ دیا کہ بعد مطالعہ بیرنگ واپس کردیں۔ یہ ایسی کتاب کیلئے ہوتا جس کا ایک ہی نسخہ ہو ورنہ مفت ہدیہ کردیتے۔ خود فتاوٰی کے ضمنی الفاظ سے میں نے یہ حالات دریافت کیے۔

مسلمانوں کی حاجت برآری ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ مولانا مقبول احمد صاحب صدر مدرس مدرسہ حمیدیہ دربھنگہ کو ایک بزرگ نے تعویذ دیا اور شرف آفتاب میں کندہ کرکے پہننے کی ہدایت کی۔ انہیں شرف آفتاب بتانے والا کوئی نہ ملا تو اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کو خط لکھا۔ خط پہنچنے کے دوسرے دن سے شرف آفتاب شروع ہو کر چوبیس گھنٹے میں ختم ہونے والا تھا۔ کارڈ لکھتے تو یقیناً وقت گزرنے کے بعد پہنچتا اور پھر ایک سال کے بعد ہی ان کا کام ہو پاتا۔ اس لئے فوراً ٹیلی گرام سے جواب دیا۔ صرف اس لئے کہ ایک مسلمان طالبِ علم کی دینی حاجت یا دنیاوی جائز ضرورت پوری ہو جائے اور اسے ایک سال انتظار کی زحمت نہ جھیلنی پڑے۔ (حیات اعلیٰ حضرت صفحہ 50)

برخلاف اس کے خود علماء و مشائخ کو کسی کام کیلئے لکھتے تو جواب کیلئے ٹکٹ رکھتے۔ بسا اوقات اپنے تلامذہ و خدام کو بھی رجسٹری یا پارسل وغیرہ کے خرچ بھیجتے جبکہ مریدین و مخلصین کو اپنے شیخ کیلئے خود اپنی جیب سے ہزار ہا ہزار خرچ کردینے میں کوئی بار محسوس نہیں ہوتا۔

ایک صاحب سے مٹی کا تیل خریدا اور قیمت دریافت کی۔ انہوں نے عرض کیا: عام قیمت تو یہ ہے، آپ اتنی کم کرکے دے دیں۔ فرمایا: ایسا کیوں؟ بولے: آپ میرے بزرگ ہیں، عالم ہیں، آپ سے عام قیمت کیسے لے سکتا ہوں۔ فرمایا: میں علم نہیں بیچتا۔ یہ کہہ کر وہی عام قیمت سپرد کی اور انہیں لینی پڑی۔ (حیاتِ اعلیٰ حضرت صفحہ 29)

تعویذ پر اجرت آج کل معمول بن چکا ہے مگر بحمدہٖ تعالیٰ امام احمد رضا علیہ الرحمہ کا دامنِ احتیاط اس داغ سے بھی پاک ہے۔ ایک صاحب حاضر ہوئے اور بدایوانی پیڑوں کی ہانڈی پیش کی۔ فرمایا: کس لئے آنا ہوا؟ عرض کیا: سلام کیلئے حاضر ہو گیا۔ سلام کا جواب دیا۔ پھر

فرمایا: کوئی ضرورت؟ بولے: بس یوں ہی آ گیا۔ تھوڑے وقفے کے بعد پوچھا: کچھ کہئے گا؟ بولے: کوئی غرض نہیں، نیاز حاصل کرنے ہی آ گیا تھا۔ اب ہانڈی اندر بھیج دی۔ تھوڑی دیر بعد وہ صاحب ایک تعویذ کے طالب ہوئے۔ تعویذ لکھ کر دیا اور ساتھ ہی ہانڈی بھی واپس کی۔ فرمایا: میں نے آپ سے تین بار پہلے ہی دریافت کیا مگر آپ ہر بار انکار کرتے رہے۔ یہ ہانڈی لیتے جایئے۔ یہاں تعویذ بیچا نہیں جاتا۔ (حیات اعلیٰ حضرت صفحہ 29)

عموماً لوگ بزرگوں کے یہاں دنیاوی حاجتیں لے کر جاتے ہیں۔ خصوصاً کسی کے بارے میں صحیح علم ہو گیا کہ یہ ولیُ اللہ ہیں تو پھر اس کے یہاں دنیاوی حاجتوں کی بھیڑ لگ جاتی مگر اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ میں کبھی کسی بزرگ کے یہاں حاجتِ دنیا لے کر حاضر نہ ہوا۔

بریلی میں ایک مجذوب بشیر الدین رہتے تھے۔ ان کے یہاں بچپن میں حاضر ہوئے۔ دریافت فرمایا: مقدمہ کیلئے آئے ہو؟ عرض کیا: مقدمہ تو ہے مگر میں اس کیلئے نہیں آیا صرف دعائے مغفرت وسعادت کا طالب ہوں۔ تقریباً آدھ گھنٹہ وہ دعا دیتے رہے۔

منیٰ کی مسجد خیف میں ایک صاحبِ باطن کے ذکرِ قلب سے حدیث کے مطابق شہد کی مکھیوں جیسی آواز محسوس کر کے ان کی طرف قدم بڑھایا تو کسی حاجتِ دنیا کیلئے نہیں بلکہ صرف دعائے مغفرت کیلئے۔ وہ بھی صاحب کشف تھے۔ قدم بڑھاتے ہی دعا کرنے لگے:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاَخِیْ هٰذَا، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاَخِیْ هٰذَا

"اے اللہ! میرے اس بھائی کی مغفرت فرما"۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے سمجھ لیا کہ کام ہو گیا۔ اب ان کے اوقات میں مخل ہونا زیبا نہیں اور واپس آ گئے۔

امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کی زندگی کو جس قدر گہری نظر سے دیکھا جائے گا۔ اس طرح کے آبدار موتیوں کی جلوہ ریزیاں عام ہوتی نظر آئیں گی۔ ان جلووں کو کوئی کہاں تک سمیٹے؟ مطالعہ حیران ہے اور زبان وقلم قاصر۔ مختصر یہ کہ اخلاص اور للّٰہیت نے ان کے قلب وذہن کو پوری طرح معطر کر رکھا تھا۔ ان کی نظر ذاتِ احد سے جدا نہیں ہوتی۔ وَلَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ

تجدید واصلاح:

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے جو تجدیدی واصلاحی خدمات انجام دی ہیں، انہیں صرف ان کے علمی خانہ میں رکھنا اور تصوّف وطریقت سے الگ شمار کرنا کسی طرح درست نہیں۔ اگر ایسا ہو تو سیدنا غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی تجدیدی واصلاحی خدمات پر نظر ثانی کرنی ہوگی۔

میں ذکر کر چکا ہوں کہ دعوتِ دین، اصلاحِ اہلِ زمانہ اور فتنہ شکنی وہ عظیم مجاہدہ ہے جو تمام ارباب سلوک کو نصیب نہیں ہوتا۔ اہلِ کشف ومجاہدہ اور اربابِ ریاضت میں بہت سے اولیائے کرام ایسے بھی ملتے ہیں جنہوں نے خلوت میں زندگی گزاری اور جلوت سے انہیں کوئی سروکار نہ رہا اور اس کی حقیقت وہ ہے جو امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائی۔ ارشاد فرمایا:

''آدمی تین قسم کے ہیں: مفید، مستفید، منفرد۔

1- مفید وہ جو دوسروں کو فائدہ پہنچائے۔

2- مستفید وہ جو دوسرے سے فائدہ حاصل کرے۔

3- منفرد وہ کہ دوسرے سے فائدہ لینے کی اسے حاجت نہ ہو اور نہ دوسروں کو فائدہ پہنچا سکتا ہو۔

مفید اور مستفید کو عزلت گزینی حرام ہے اور منفرد کو جائز بلکہ واجب''۔

(ملفوظات حصہ 3 صفحہ 37)

یہی وجہ ہے کہ سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ نے تکمیلِ علوم شریعت وراہِ طریقت کے بعد کوئی گوشۂ تنہائی نہیں بلکہ بغداد کی گھنی آبادی کا انتخاب کیا جو بے شمار فتنوں کی آماجگاہ بلکہ تربیت گاہ بن چکا تھا۔ انہوں نے اپنے خطبات سے خلفاء، امراء، علماء اور عوام کے دل ہلا دیے۔ ان کے فیضِ اصلاح سے ہزاروں بے دین صراطِ مستقیم پر آئے اور لاکھوں بے راہ صالح ونیک بن گئے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے تکمیل کے بعد اپنی اصلاح کا رُخ خاص طور پر امراء اور علماء کی طرف پھیرا۔ ان کے ہاتھ پر توبہ کرنے والوں کی فہرست سوانح نگاروں نے مرتب نہ کی

لیکن یہ حقیقت ہے کہ ان کے رشحاتِ قلم آج بھی باعثِ رشد و ہدایت ہیں۔

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے عہد میں دینی فتنوں کا کتنی پامردی سے مقابلہ کیا ہے۔ اس کا اجمالی ذکر ہو چکا ہے۔

ان کے بھتیجے مولانا حسنین رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

''اس ہندوستان میں کوئی باطل فرقہ ایسا نہیں ہے جس کے رد میں ان کی بکثرت تحریریں موجود نہ ہوں۔ جب دین میں کوئی نیا فتنہ اٹھتا تو سب سے پہلے حضور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے زبان و قلم کو حرکت ہوتی اور کامل استیصال فرما کر چھوڑتے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ ہر فتنہ انگیز کو فتنہ پھیلانے سے قبل یہ خیال مدتہا مدت تک باز رکھتا کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی سیفِ زبان و نیزۂ قلم کا کیا جواب ہوگا؟'' (ایمان افروز وصایا صفحہ 7)

انہوں نے خود بکمالِ جوانمردی اوائلِ زندگی ہی میں یہ اعلان کر دیا تھا:

کلکِ رضا ہے خنجرِ خونخوار برق بار
اَعداء سے کہہ دو خیر منائیں نہ شر کریں

ملک العلماء مولانا ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ اور برہان ملت مفتی برہان الحق صاحب مدظلہ وغیرہم نے اپنے اپنے مضامین میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی ان تصانیف کا ذکر تفصیل سے کیا ہے جو انہوں نے ردِ نصاریٰ، ردِ ملحدین، ردِ آریہ اور ردِ فرقِ باطلہ میں تصنیف کیں۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی زبانِ فیض ترجمان سے بہت بے علموں اور فاسقوں کو بھی صلاح و فلاح کی زندگی نصیب ہوئی۔ ایک بار قریباً چونتیس دن جبل پور میں قیام فرمایا۔ بیشمار مسلمانوں نے اپنے علانیہ و خفیہ گناہوں سے ان کے دستِ پاک پر توبہ کی اور زبان کی تاثیر یہ تھی کہ سیدھی سادھی باتوں سے لوگوں کے دل امنڈ آتے تھے۔ نہ جانے مدتوں کے کتنے جھگڑے ان کی دو دو باتوں سے طے ہو گئے اور جو مسلمان باہمی نزاع و آویزش جیسے عظیم گناہ کے مرتکب ہوتے چلے آ رہے تھے، چشم زدن میں یک جان و دل ہو گئے۔

جبل پور کا واقعہ ہے کہ دو بھائیوں میں باہمی لڑائی تھی۔ چند کلمات کے بعد فرمایا:

خوب سمجھ لیجئے آپ دونوں صاحبوں میں جو سبقت ملنے میں کرے گا، جنت کی طرف سبقت کرے گا۔ یہ فرمانا تھا کہ دونوں کے قلبوں پر ایک برقی اثر ہوا اور بے تابانہ ایک دوسرے کے قدموں پر گر پڑے۔ آپس میں نہایت صاف دلی کے ساتھ لپٹ گئے۔ جوشِ محبت کی یہ حالت ہوئی کہ اگر حاضرین میں سے سنبھال نہ لیتے تو دونوں حضرات اس معانقۂ قلبی میں گر پڑتے۔

خود بریلی شریف میں آئے دن اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کے ہاتھوں پر توبہ کرنے والوں کا کوئی شمار نہیں۔ جبل پور کے ایک جلسہ میں توبہ کرنے والوں کی فہرست شائع ہوئی۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے بتایا کہ اللہ و رسول کے گستاخوں سے صحابۂ کرام اور اولیائے کبار بیزاری و نفرت کا سلوک کرتے تو بدمذہبوں، گستاخوں سے صحبت و قربت رکھنے والے بہت سے لوگوں نے توبہ کی اور صدقِ دل سے تائب ہوئے۔ اس پر ارشاد فرمایا: بھائیو! یہ وقت نزولِ رحمت الٰہی ہے۔ سب حضرات اپنے اپنے گناہوں سے توبہ کریں۔ جن کے خفیہ ہوں، وہ خفیہ اور جن کے علانیہ ہوں، وہ علانیہ۔ فقیر دعاء کرتا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ آپ حضرات کو استقامت مرحمت فرمائے۔ جو داڑھی منڈاتے یا کترواتے ہوں یا چڑھاتے یا سیاہ خضاب لگاتے ہوں، وہ اور ایسے ہی جو علانیہ گناہ کرتے ہوں انہیں علانیہ توبہ کرنی چاہیے اور جو گناہ خفیہ طور پر کئے ان سے پوشیدہ کہ گناہ کا اعلان بھی گناہ ہے۔ ان چند فقروں میں اللہ ہی جانے کیا اثر تھا کہ لوگ دھاڑیں مار مار کر رونے لگے۔ گویا وہ اپنے گناہوں کے دفتر آنسوؤں سے دھو رہے تھے اور بے تابانہ پروانہ وار اس شمعِ انجمنِ محمدی پر نثار ہوتے (اس شیخِ ارشاد کے) قدموں پر گڑ گڑا کر اپنے خفیہ و علانیہ گناہوں سے توبہ کر رہے تھے۔ عجب سماں تھا۔ جو لوگ حاضرِ جلسہ نہ تھے انہیں بعد کو اطلاع ہوئی، وہ سب حاضر ہو کر تائب ہوتے گئے۔ دوسرے دن وقتِ ظہر جبل پور سے روانگی تھی۔ لوگ اسٹیشن تک آئے اور تائب ہوئے۔

(الملفوظ حصہ 2 صفحہ 71 ملخصاً)

شب برأت بارگاہِ خداوندی میں توبہ کا بھی موقع ہے اور اپنے دینی بھائیوں سے مصالحت و معافیٔ حقوق کا بھی۔ اسے امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے مکتوب گرامی کی روشنی میں سمجھئے

اور ان کی اصلاح وہدایت کا منظر بھی دیکھئے کیونکہ یہ مکتوب کسی خاص فرد کیلئے نہیں بلکہ ایک گشتی مراسلہ کی صورت میں طبع کرا کے ہر علاقہ کے سر برآوردہ حضرات کے یہاں شب برات کے موقع پر بھیجا جاتا تھا۔

''شبِ براءت قریب ہے، اس رات تمام بندوں کے اعمال حضرت عزت میں پیش ہوتے ہیں۔ مولیٰ عزوجل بطفیلِ حضور پر نور شافع یوم النشور علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام مسلمانوں کے ذنوب (گناہ) معاف فرماتا ہے مگر چند۔ ان میں وہ دو مسلمان جو باہم دنیوی وجہ سے رنجش رکھتے ہیں۔ فرماتا ہے: ان کو رہنے دو جب تک آپس میں صلح نہ کرلیں لہٰذا اہلسنّت کو چاہئے کہ حتی الوسع قبلِ غروبِ آفتابِ ۱۴ شعبان باہم ایک دوسرے سے صفائی کرلیں۔ ایک دوسرے کے حقوق ادا کردیں یا معاف کرالیں کہ باذنہٖ تعالیٰ حقوق العباد سے صحائف اعمال خالی ہوکر بارگاہِ عزت میں پیش ہوں۔ حقوقِ مولیٰ تعالیٰ کیلئے توبۂ صادقہ کافی ہے۔

اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَہٗ

''گناہوں سے توبہ کرنے والا اُس شخص کی طرح ہے جس نے کوئی گناہ کیا ہی نہیں''۔

ایسی حالت میں باذنہٖ تعالیٰ ضرور اس شب میں امیدِ مغفرتِ تامہ ہے بشرط صحتِ عقیدہ وَھُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔

یہ سب مصالحت اخوان و معافیِ حقوق بحمدہٖ تعالیٰ یہاں سالہائے دراز سے جاری ہے۔ امید کہ آپ بھی وہاں مسلمانوں میں اس کا اجراء کرکے مَنْ سَنَّ فِی الْاِسْلَامِ سُنَّۃً حَسَنَۃً ..... الخ کے مصداق ہوں۔ سب مسلمانوں کو سمجھا دیا جائے کہ وہاں نہ خالی زبان دیکھی جاتی ہے نہ نفاق پسند ہے۔ صلح و معافی سب سچے دل سے ہو''۔[1] (حیات اعلیٰ حضرت صفحہ 268)

۱۔ یہ مکتوب ہمیں حیات اعلیٰ حضرت کے حصہ مکتوبات سے دستیاب ہوا جس کے ساتھ یہ بھی درج ہے کہ یہ منبع اہلسنت بریلی میں چھپا۔ ۱۲ محمد احمد مصباحی

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام اَحمد رضا رحمۃ اللہ علیہ عامۂ مسلمین کی ہدایت کیلئے مکتوبات و اشتہارات طبع کرا کے تقسیم کر دیا کرتے تھے اور خاص علماء و سربرآوردہ حضرات کے پاس بھی بھیجتے تھے تاکہ ان کے ذریعے ان کے حلقۂ اثر میں کارِ ہدایت مکمل ہو سکے۔ کاش! اس قسم کے سب اشتہارات و مکتوبات جمع کر کے یکجا طبع کر دیے گئے ہوتے تو آج بھی بہت سے مسلمانوں کیلئے رشد و اصلاح کا کام انجام دیتے۔

ایک ہدایت نامہ ماہنامہ الرضا بریلی میں ملتا ہے جس کا متن یہ ہے:

''احباب علمائے شریعت اور برادرانِ طریقت کو ہدایت کی جاتی ہے کہ خدمتِ دینی کو کسبِ معیشت کا ذریعہ نہ بنائیں اور سخت تاکید ہے کہ دستِ سوال دراز کرنا تو درکنار اشاعتِ دین و حمایتِ سنت میں مالی منفعت کا خیال دل میں نہ لائیں، بلکہ ان کی خدمت خالصاً لوجہ اللہ ہو۔ ہاں! اگر بلا طلب اہل محبت سے کچھ نذر پائیں، رد نہ فرمائیں کہ اس کا قبول کرنا سنت ہے''۔

(ماہنامہ الرضا بابت ربیع الاوّل و جمادی الاُولیٰ 1338ھ)

شہر اَحمد آباد کے مسلمانوں میں ایک بار باہمی نزاع پڑا۔ لوگوں نے امام اَحمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لکھا کہ یہاں ایک جھگڑا پڑا ہے۔ ایک مسجد مدت سے بن گئی اور ایک مسجد اب بن رہی ہے، ہر دو جانب کے فتوے نکلے ہیں۔ مذکور دونوں فتوے آپ کی خدمتِ اقدس میں روانہ ہیں۔ بغور ملاحظہ فرما کر جو حکمِ صحیح ہو، روانہ کریں۔ آپ کی حق تحریر آنے سے انشاء اللہ العزیز شر مٹ جائے، ایسی امید ہے۔

امام اَحمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ دونوں فتووں کو ملاحظہ فرمانے، مسجدِ ضرار کی حقیقت بتانے اور دیگر احکامِ شرعیہ واضح فرمانے کے بعد آخر میں رقمطراز ہیں:

''فقیر کو بحمدہٖ تعالیٰ تمام سنی بھائیوں سے خدمت گاری کا شرف حاصل ہے لٰہذا دونوں فریق سے دست بستہ عرض ہے کہ رنجش جانے دیں۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ پر نظر فرما کر گلے مل لیں۔ فریقِ اول کو اپنی نیت معلوم ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے زائد اس کی نسبت جانتا ہے۔ اگر واقع میں مسجد انہوں نے محض براہ

نفسانیت بقصدِ اضرارِ مسجدِ سابق بنائی ہے تو ضرور وہ مسجدِ ضرار ہے، اسے دور کریں اور تائب ہوں مگر فریقِ دوم کو ہرگز حلال نہیں کہ مسلمانوں پر اتنی سخت بدگمانی کر کے معاذ اللہ مسجد ڈھانا چاہیں اور ایسے بے معنی نام کے فتووں کی آڑ لیں جو اس سے زیادہ اور کیا ظلم کریں گے کہ مسجد گرانے کا حکم دیتے اور حاکمِ وقت کو بربادیِ خانۂ خدا پر اُبھارتے ہیں۔ وَالْعِیَاذُ بِاللّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

فقیر اپنے اس خط کی نقل فر[illegible]ل کو بھی بھیجے گا کہ میں نے دونوں کی خدمت میں دست بستہ عرض کی ہے اور اصلاح کی توفیق دینے والا خدا ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی جَمِیْعِ اِخْوَانِنَا اَھْلِ السُّنَّۃِ وَالْجَمَاعَۃِ

فقیر احمد رضا قادری عُفی عنہ

شعبان المعظم یوم الاحد ۱۳۲۹ھ''

(فتاوٰی رضویہ جلد 6 صفحہ 412)

اب میں خود اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی تصانیف سے ان کی اصلاح و تربیت کا منظر پیش کرنا چاہتا ہوں جسے دیکھ کر اہلِ نظر خود فیصلہ کر سکتے ہیں کہ یہ صرف مفتی و عالم کا قلم ہے یا صوفی و عارف کا خامۂ پُراثر؟

ایک شخص قیلولہ ایسے وقت کرتا تھا کہ اس کی جماعتِ ظہر چھوٹ جاتی اور عذر یہ تھا کہ مجھے ''تہجد پڑھنا'' رہتا ہے، جس کیلئے دن میں قیلولہ ضروری ہے، نہ کروں تو تہجد فوت ہو۔

اس کے متعلق آپ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

''حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کب ایسے تہجد و قیلولہ کے طرف بلایا جن سے جماعت فریضہ فوت ہو؟ کیا قرآن و حدیث ایسے ہی تہجد کی ترغیب دیتے ہیں؟ کیا سلف صالح نے ایسی ہی قیامِ لیل کئے ہیں؟ حَاشَا کَلَّا۔

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی!
کیں رہ کہ تو می روی بترکستان است

یا ھٰذا! سنت ادا کیا چاہتا ہے تو بروجہِ سنت ادا کر۔ یہ کیا کہ سنت لیجئے اور واجب فوت کیجئے۔ ذرا بگوشِ ہوش سن! اگرچہ حق تلخ گزرے، وسوسہ ڈالنے والے نے تجھے یہ جھوٹا بہانا سکھایا کہ اسے مفتیانِ زمانہ پر پیش کرے۔ جس کا خیال ترغیباتِ تہجد کی طرف جائے، تجھے تفویتِ جماعت کی اجازت دے۔ جس کی نظر تاکیداتِ جماعت پر جائے، تجھے ترکِ تہجد کی مشورت دے مگر حاشا! خدام فقہ وحدیث بتوفیقہٖ عزوجل حقیقتِ امر سے آگاہ ہیں۔ ان کے یہاں عقلِ سلیم ونظرِ قویم دو عادل گواہ شہادت دے چکے ہیں کہ تہجد و جماعت میں تعارض نہیں۔ ان میں کوئی دوسرے کی تفویت کا داعی نہیں بلکہ یہ ہوائے نفسِ شریر وسوئے طرز تدبیر سے ناشی ہوا۔

یـــا ھٰــذا! اگر تو وقتِ جماعت جاگتا ہوتا اور بطلبِ آرام پڑا رہتا ہے جب تو صراحۃً گنہگار و تارکِ واجب اور عذرِ باطل میں کاذب ہے اور اگر ایسا نہیں تو اپنی حالت جانچ کہ یہ فتنۂ خواب کیونکر جاگا اور یہ فسادِ عُجاب کہاں سے پیدا ہوا؟ اس کی تدبیر کر۔ کیا تو قیلولہ ایسے تنگ وقت کرتا ہے کہ وقتِ جماعت قریب ہوتا ہے۔ ناچار ہوشیار نہیں ہونے پاتا؟ یوں ہے تو اول وقت خواب کر۔ اولیاء کرام قَدَّسَنَا اللّٰہُ باسرارھم نے قیلولہ کیلئے خالی وقت رکھا ہے جس میں نماز وتلاوت نہیں یعنی ضحوۂ کبریٰ سے نصف النہار تک۔ وہ فرماتے ہیں کہ چاشت وغیرہ سے فارغ ہو کر خواب خوب ہے کہ اس سے تہجد میں مدد ملتی ہے اور ٹھیک دوپہر ہونے سے کچھ پہلے جاگنا چاہئے۔ ظاہر ہے کہ جو پیش از زوال بیدار ہو لیا، اس سے فوتِ جماعت کے کوئی معنی نہیں۔

کیا اس وقت سونے میں تجھے کچھ عذر ہے؟ اچھا ٹھیک دوپہر کو سو مگر نہ اتنا کہ وقت جماعت آجائے۔ ایک ساعتِ قلیلہ قیلولہ بس ہے۔ اگر طولِ خواب سے خوف کرتا ہے۔

1- تکیہ نہ رکھ۔ بچھونا نہ بچھا کہ بے تکیہ و بے بستر سونا بھی مسنون ہے۔

2- سوتے وقت دل کو خیالِ جماعت سے خوب متعلق رکھ کہ فکر کی نیند غافل نہیں ہوتی۔

3- کھانا حتی الامکان علی الصباح کھا کہ وقتِ نوم تک بخاراتِ طعام فرو ہولیں اور طولِ منام کے باعث نہ ہوں۔

4- سب سے بہتر علاج تقلیلِ غذا ہے۔ پیٹ بھر کر قیامِ لیل کا شوق رکھنا بانجھ سے بچہ مانگنا ہے۔ جو بہت کھائے گا، بہت پیے گا۔ جو بہت پیے گا، بہت سوئے گا۔ جو بہت سوئے گا، آپ ہی خیرات و برکات کھوئے گا۔

5- یوں نہ گزرے تو قیامِ لیل میں تخفیف کر۔ دو رکعتیں خفیف و تام بعد نماز عشاء ذرا سونے کے بعد شب میں کسی وقت پڑھنی اگرچہ آدھی رات سے پہلے ادائے تہجد کو بس ہیں مثلاً نو بجے عشاء پڑھ کر سو رہا، دس بجے اٹھ کر دو رکعتیں پڑھ لیں، تہجد ہو گیا۔

6- سوتے وقت اللہ عزوجل سے توفیقِ جماعت کی دعا اور اس پر سچا توکل۔ مولیٰ تبارک و تعالیٰ جب تیرا حسنِ نیت و صدقِ عزیمت دیکھے گا، ضرور تیری مدد فرمائے گا۔

مَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَہُوَ حَسْبُہٗ

''جو اللہ پر توکل کرے تو اللہ اُسے کافی ہے''۔

7- اپنے اہلِ خانہ وغیرہم سے کسی معتمد کو متعیّن کر کہ وقتِ جماعت سے پہلے جگا دے۔ اِن ساتوں تدبیروں کے بعد کسی وقت سوئے۔ انشاء اللہ تعالیٰ فوتِ جماعت سے محفوظی ہوگی...... الخ (فتاویٰ رضویہ جلد 3 صفحہ 330 تا 332 ملخصاً)

صرف اہلِ دین ہی نہیں میں اہلِ زبان سے پوچھتا ہوں کہ یہ اسلوب عالمانہ ہے یا صوفیانہ؟ یہ فتاویٰ کی زبان ہے یا حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کی عوارف اور ان کے شیخ سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی فتوح الغیب کی؟ یہ کسی مفتی محض کا قلم ہے یا کسی ہادی شریعت و طریقت کا؟

اسی طرح ایک سوال آیا کہ کچھ لوگ ایسے ہیں جو نفلی صدقات و خیرات تو کرتے ہیں مگر فرض زکوٰۃ کی ادائیگی نہیں کرتے۔ اس کے جواب میں حکمِ شرعی اور اٹھارہ احادیث بیان کرنے کے بعد امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ خالص عرفانی و اصلاحی انداز میں فرماتے ہیں:

''زکوٰۃ نہ دینے کی جانکاہ آفتیں وہ نہیں جن کی تاب آسکے۔ نہ دینے والے کو ہزار ہا سال ان سخت عذابوں میں گرفتاری کی امید رکھنی چاہئے کہ ضعیف البُنیان انسان کی کیا جان؟ اگر پہاڑوں پر ڈالے جائیں، سُرما ہو کر خاک میں مل جائیں۔ پھر اس سے بڑھ کر احمق کون کہ اپنا مال جھوٹے سچے نام کی خیرات میں صرف کرے اور اللہ عزوجل کا فرض اور اس بادشاہِ قہار کا وہ بھاری قرض گردن پر رہنے دے۔ یہ شیطان کا بڑا دھوکہ ہے کہ آدمی کو نیکی کے پردے میں ہلاک کرتا ہے۔ نادان سمجھتا ہی نہیں۔ (سمجھتا ہے) نیک کام کر رہا ہوں اور نہ جانا کہ نفل بے فرض نرے دھوکے کی ٹٹی ہے۔ اس کے قبول کی امید تو مفقود اور اس کے ترک کا عذاب گردن پر موجود۔

اے عزیز! فرض خاص سُلطانی قرض ہے اور نفل گویا تحفہ و نذرانہ۔ قرض نہ دیجئے اور بالائی بیکار تحفے بھیجئے، وہ قابلِ قبول ہوں گے؟ خصوصاً اس شہنشاہِ غنی کی بارگاہ میں جو تمام جہان و جہانیاں سے بے نیاز ہے۔

اس شخص نے آج تک جس قدر خیرات کی، مسجد بنائی، گاؤں وقف کیا۔ یہ سب امور صحیح و لازم تو ہو گئے مگر بایں ہمہ جب تک زکوٰۃ پوری پوری نہ ادا کرے ان افعال پر امیدِ ثواب و قبول نہیں کہ کسی فعل کا صحیح ہو جانا اور بات ہے اور اس پر ثواب ملنا، مقبولِ بارگاہ ہونا اور بات ہے مثلاً اگر کوئی شخص دکھاوے کیلئے نماز پڑھے نماز صحیح تو ہو گئی، فرض اُتر گیا پر نہ قبول ہو گی نہ ثواب پائے گا بلکہ الٹا گنہگار ہو گا۔ یہی حال اس شخص کا ہے۔

اے عزیز! اب شیطان لعین کہ انسان کا عدوِ مبین ہے بالکل ہلاک کر دینے اور یہ ذرا سا ڈورا جو قصدِ خیرات کا رہ گیا ہے جس سے فقراء کو تو نفع ہے، اسے بھی کاٹ دینے کیلئے یوں فقرہ سوجھائے گا کہ جو خیرات قبول نہیں تو کرنے سے کیا فائدہ؟ چلو اسے بھی دور کرو اور شیطان کی پوری بندگی بجا لاؤ مگر اللہ عزوجل کو تیری بھلائی اور عذابِ شدید سے رہائی منظور ہے تو وہ تیرے دل میں ڈالے گا کہ

اس حکمِ شرعی کا جواب یہ نہ تھا جو اس دشمنِ ایمان نے تجھے سکھایا اور رہا سہا بالکل مُتمرد وسرکش بنایا بلکہ تجھے وہ فکر کرنی تھی جس کے باعث عذابِ سلطانی سے بھی نجات ملتی اور آج تک کے یہ وقف ومسجد وخیرات بھی سب مقبول ہو جانے کی امید پڑتی۔

وہ نیک تدبیر یہی ہے کہ زکوٰۃ نہ دینے سے صدق دل سے توبہ کیجئے۔ آج تک کی جتنی زکوٰۃ گردن پر ہے، فوراً دل کی خوشی کے ساتھ اپنے رب کا حکم ماننے، اور اسے راضی کرنے کو ادا کر دیجئے کہ شہنشاہِ بے نیاز کی درگاہ میں باغی غلاموں کی فہرست سے نام کٹ کر فرماں بردار بندوں کے دفتر میں چہرہ لکھا جائے۔ مہربان مولیٰ جس نے جان عطا کی، اعضاء دیے، مال دیا، کروڑوں نعمتیں بخشیں اس کے حضور منہ اجالا ہونے کی صورت نظر آئے اور مژدہ ہو، بشارت ہو، نوید ہو، تہنیت ہو کہ ایسا کرتے ہی اب تک جس قدر خیرات دی ہے، وقف کیا ہے، مسجد بنائی ہے، ان سب کی بھی مقبولی کی امید ہوگی کہ جس جرم کے باعث یہ قابلِ قبول نہ تھے۔ جب وہ زائل ہوگیا، انہیں بھی باذن اللہ شرفِ قبول حاصل ہوگیا (الی آخر ما افادوا جاد)

(فتاوٰی رضویہ جلد 4 صفحہ 436 تا 438)

مختلف بدعات ومنکرات پر امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے علمی اسلوب کے علاوہ خالص عرفانی اندازہ میں جو اصلاح وارشاد کا کام کیا ہے اُنہی کو جمع کیا جائے تو ایک کتاب ہو لیکن میں سمجھتا ہوں کہ جس قدر ذکر ہوگیا اس مختصر مضمون کیلئے کافی ہوگا۔

مزید تفصیل کیلئے ''امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ اور ردِ بدعات ومنکرات'' از مولانا یٰسین اختر مصباحی مطبوعہ فرید بکسٹال لاہور دیکھئے۔

بارگاہِ قادریّت:

سلوک وتصوّف اور ارادت وطریقت میں ضروری ہے کہ اپنے آقائے نعمت سے بھرپور تعلقِ خاطر ہو۔ جبھی فیضانِ قلب ونظر سے بہرہ ور ہو سکتا ہے۔ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ

اپنے مرشد گرامی سے سچی عقیدت رکھتے ہیں یہاں تک کہ اپنی علمی تصانیف کو بھی انہی کا فیض قرار دیتے ہیں۔ رسالہ حاجز البحرین الواقی عن جمعِ الصلوتین (۱۳۱۳ھ) جو فنِ حدیث میں امام اَحمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی وسعتِ نظر اور کامل دستگاہ کا جیتا جاگتا ثبوت ہے، اس کے آغاز میں اپنے استاذِ گرامی والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مرشدِ برحق کا ذکر بھی عجب والہانہ انداز میں لاتے ہیں۔ اسی طرح اوپر کے تمام مرشدوں کا جہاں بھی تذکرہ کرتے ہیں، بڑی ممنونیت وعزت کے ساتھ کرتے ہیں لیکن سلسلۂ قادریہ کے مرشدین اپنے مرید سے یہی فرماتے ہیں کہ ہم نے تیرا ہاتھ حضور غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے دستِ پاک میں دیا۔ اس لیے اِس سلسلہ والوں کے اصل مُرشد و شیخ سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ ہی ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دیگر اکابر کی طرح حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور امام اَحمد رضا قادری رحمۃ اللہ علیہ بھی اس سرکار سے نسبتِ غلامی کا بڑا پُر کیف اظہار فرماتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بے شمار موقعوں پر فرمایا اور متعدد مقامات پر لکھا کہ یہ آستانِ قادریت کی غلامی کا صدقہ ہے۔

مولانا شاہ محمد ابراہیم قادری برکاتی مدراسی حیدر آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے اطلاع دی کہ مولانا وکیل اَحمد سکندر پوری رحمۃ اللہ علیہ قصیدۂ غوثیہ کی شرح لکھ رہے ہیں اور بعض لوگ اس قصیدے کی عربیت پر کلام رکھتے ہیں۔ ان کا ردّ بھی اچھی طرح کر رہے ہیں۔ آپ اس قصیدے کی نسبت اور عربیت سے متعلق کیا فرماتے ہیں؟ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں اولاً اس کی نسبت کی صحت ثابت کی پھر اس کی عربیت سے متعلق دس نکات تحریر فرمائے جن میں یہ مان کر کہ ممکن ہے اس کی عربیت میں کمی ہے بطور تنزّل کام کیا اور نکتہ ثانیہ میں اکابر علماء واُدباء کی تیس عبارتیں پیش کیں جن میں قواعد عربی کی رعایت نہ تھی وہ بھی نثر میں۔ جواب کے آخر میں فرماتے ہیں

''الحمد للہ کلام اپنے منتہیٰ کو پہنچا اور ارتیابِ مُرتاب اپنی سزا کو مگر ابھی تو یہیں حضرت معترض کی مزاج پُرسی کرنی ہے۔ ذرا مہربانی فرما کر اپنے اعتراضات تفصیلی سے اطلاع دیں اور اس وقت جواب تفصیلی کے مرتبے میں ہم پر ہمارے آقا کا فیضان دیکھیں۔ ہاں! ہاں! اصلاً نہ شرمائیں۔ جہاں تک

اعتراض خاطر میں آئیں۔ سب ایک ایک کر کے بیان فرمائیں۔ کچھ اٹھا رکھنے کی تکلیف ہرگز نہ اٹھائیں۔ ہم بھی تو جانیں کہ قصیدۂ مبارکہ میں ایسے کیا کچھ اغلاط دیکھ پائے ہیں جن کی بنا پر یہ شور اٹھائے ہیں''۔

ابتداء میں فرماتے ہیں:

''فقیر اپنے مجموعۂ فتاوی کی جمع وتہذیب، رسائلِ والد ماجد کی تبییض وترتیب، رسائلِ کثیرہ کی ترصیف اور کئی رسائلِ جدیدہ کی تصنیف میں مشغول تھا۔ قصد کیا بنہایتِ اجمال چند سطر میں ایک مختصر جواب حاضر کرے۔ 25 ذی الحجہ (1306ھ) روز جمعہ مبارکہ کو اس طرف عزم کیا۔ سرکار فیض بار حضرت قادریت مدار علیہ رضوان الغفار کا نام پاک سرکار اقدس سے نظرِ اول میں وہ جوشِ فیضان ہوا کہ عنانِ قلم روکتے روکتے ایک مُوجز رسالے کا سامان ہوا''۔

(الزمزمۃ القمریۃ فی الذب عن الخمریۃ)

محدثِ اعظم مولانا سید محمد اشرفی جیلانی کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے کارِ افتا پر لگانے سے پہلے خود گیارہ روپے کی شیرینی منگائی۔ اپنے پلنگ پر مجھ کو بٹھا کر اور شیرینی رکھ کر فاتحۂ غوثیہ کر کے دستِ کرم سے شیرینی مجھ کو بھی عطا فرمائی اور حاضرین میں تقسیم کا حکم دیا کہ اچانک اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پلنگ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ سب حاضرین کے ساتھ میں بھی کھڑا ہو گیا کہ شاید کسی حاجت سے اندر تشریف لے جائیں گے لیکن حیرت بالائے حیرت یہ ہوئی کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ زمین پر اکڑوں بیٹھ گئے۔ سمجھ میں نہ آیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ دیکھا تو یہ دیکھا کہ تقسیم کرنے والے کی غفلت سے شیرینی کا ایک ذرہ زمین پر گر گیا تھا اور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس ذرے کو نوکِ زبان سے اٹھا رہے ہیں۔ اس واقعہ کو دیکھ کر سارے حاضرین سرکار غوثیت کی عظمت ومحبت میں ڈوب گئے۔[1]

1- یہ واقعہ رزق کی تعظیم کے ساتھ بارگاہِ غوثیت کے اعزاز کا بھی پتہ دیتا ہے۔ ۱۲ محمد احمد مصباحی

اب میں سمجھا کہ بار بار مجھ سے جو فرمایا گیا کہ کچھ نہیں یہ آپ کے جد امجد (سرکارِ غوثیت) کا صدقہ ہے وہ مجھے خاموش کر دینے کیلئے ہی نہ تھا اور نہ صرف مجھ کو شرم دلانا مقصود تھی بلکہ درحقیقت اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ غوث پاک رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں چوں قلم در دستِ کاتب تھے۔

(خطبہ صدارت جشن ولادت اعلیٰ حضرت منعقدہ ناگپور 1379ھ، تجلیات امام احمد رضا نمبر ناگپور)

اس کے دوسرے شواہد بھی ہیں۔ بچپن سے بارگاہِ قادریت کا ادب ملحوظ رہا۔ چھے برس کی عمر میں معلوم ہو گیا کہ بغداد شریف کس سمت ہے۔ اس وقت سے تا زندگی ادھر کبھی پاؤں نہ پھیلایا۔ سمتِ قبلہ کا احترام تو آدبِ شرع میں داخل ہے مگر سمتِ مرشد کا ادب بارگاہِ عشق کا حصہ ہے۔ اس لئے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فتوے کی زبان میں لکھا تو یہی لکھا کہ جانبِ شمال پاؤں پھیلا کر سونے میں کوئی ممانعت نہیں۔ ہاں! اگر اس خیال سے احتراز ہو کہ اس سمت بغداد شریف ہے اور مسجد اقصیٰ قبلۂ انبیاء ہے تو یہ ایک معقول وجہ ہے۔ (فتاویٰ رضویہ)

اپنا ایک خواب بیان فرماتے ہیں کہ ایک بار میں نے دیکھا کہ حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ایک سواری بہت نفیس اور اونچی بھی تھی۔ والد ماجد نے کمر پکڑ کر سوار کیا اور فرمایا: گیارہ درجے تک تو ہم نے پہنچا دیا آگے اللہ مالک ہے۔ میرے خیال میں اس سے مراد غلامی ہے سرکارِ غوثیت کی۔ (ملفوظات حصہ 3 صفحہ 29)

حقیقت بھی یہی ہے کہ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کو بارگاہِ قادریت سے وہ عقیدت و اُلفت تھی جو ایک سچے قادری کا حق ہے اور اس سرکار کی وہ عظمت و عزت ان کے پیشِ نظر تھی جو حضور غوثیت مآب کو سرکارِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ و الثناء کی طرف سے کرامت ہوئی۔ عرض کرتے ہیں:

ترا ذرّہ مہِ کامل ہے یا غوث
ترا قطرہ یمِ سائل ہے یا غوث
کوئی سالک ہے یا واصل ہے یا غوث
وہ کچھ بھی ہو ترا سائل ہے یا غوث

کہا تو نے کہ جو مانگو ملے گا
رضا تجھ سے ترا سائل ہے یا غوث

واہ کیا مرتبہ اے غوث ہے بالا تیرا
اونچے اونچوں کے سروں سے قدم اعلیٰ تیرا
سر بھلا کیا کوئی جانے کہ ہے کیسا تیرا
اولیاء ملتے ہیں آنکھیں وہ ہے تلوا تیرا
کیا دبے جس پہ حمایت کا ہو پنجہ تیرا
شیر کو خطرے میں لاتا نہیں کتا تیرا
بحر و بر، شہر و قریٰ، سہل و حزن، دشت و چمن
کون سے چک پہ پہنچتا نہیں دعویٰ تیرا

ارشادِ غوثِ اعظم:

اَفَلَتْ شُمُوسُ الْاَوَّلِینَ وَشَمْسُنَا
اَبَدًا عَلٰی اُفُقِ الْعُلٰی لَا تَغْرُبُ

کی ترجمانی فرماتے ہیں:

سورج اگلوں کے چمکتے تھے چمک کر ڈوبے
افقِ نور پہ ہے مہر ہمیشہ تیرا
راج کس شہر میں کرتے نہیں تیرے خدّام
باج کس نہر سے لیتا نہیں دریا تیرا
مَزرَعِ چشت و بخارا و عراق و اجمیر
کون سی کشت پہ برسا نہیں جھالا تیرا

بعض لوگ اولیاء میں سے دوسرے محبوبوں کو بھی سیدنا غوثِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا ہمسر سمجھتے تھے، ان کا رد فرماتے ہیں:

اور محبوب ہیں، ہاں پر سبھی یکساں تو نہیں
یوں تو محبوب ہے ہر چاہنے والا تیرا

بعض بزرگوں سے ایسے کلمات صادر ہوئے جن سے یہ ظاہر ہوتا کہ وہ خود کو غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ سے بھی برتر سمجھتے ہیں ان کے بارے میں ارشاد ہے:

''جس سے بھی اس قسم کے کلمات ادا ہوئے یا تو براہِ سُکر یا بوَجہِ ناواقفی۔ ہوش اور علم میں آنے کے بعد سب نے اعتراف کیا۔ اس پر واقعات بھی بیان فرمائے ہیں''۔ (ملفوظات جلد 3 صفحہ 75، 76)

یہاں بھی اشارہ کرتے ہیں:

مشائخ میں کسی کی تجھ پہ تفضیل
بحکمِ اولیاء باطل ہے یا غوث

سکر کے جوش میں جو ہیں وہ تجھے کیا جانیں
خضر کے ہوش سے پوچھے کوئی رتبہ تیرا

عجز و نیاز کا منظر بھی دیکھیں۔

تجھ سے در، در سے سگ اور سگ سے ہے مجھ کو نسبت
میری گردن میں بھی ہے دور کا ڈورا تیرا
اس نشانی کے جو سگ ہیں نہیں مارے جاتے
حشر تک میرے گلے میں رہے پٹا تیرا
میری قسمت کی قسم کھائیں سگانِ بغداد
ہند میں بھی ہوں تو دیتا رہوں پہرا تیرا
تیری عزت کے نثار، اے مرے غیرت والے!
آہ صد آہ کہ یوں خوار ہو بُردہ تیرا

استمداد و استعانت کرتے ہوئے عرض گزار ہیں:

جلا دے دیں جلا دے کفر و الحاد
کہ تو محیی تو قاتل ہے یا غوث
ترا وقت اور پڑے یوں دین پر وقت
نہ تو عاجز نہ تو غافل ہے یا غوث
تو قوت دے میں تنہا کام بسیار
بدن کمزور، دل کاہل ہے یا غوث
عدو بد دین مذہب والے حاسد
تو ہی تنہا کا زورِ دل ہے یا غوث
حسد سے ان کے سینے پاک کر دے
کہ بدتر دِق سے بھی یہ سِل ہے یا غوث

فضلِ غوثیت کے منکروں اور شانِ قادریت میں ہرزہ سرائیاں کرنے والوں کی طرف یوں التفات ہے:

عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے
یہ گھٹائیں اُسے منظور بڑھانا تیرا
مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اَعداء تیرے
نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا
سم قاتل ہے خدا کی قسم ان کا انکار
منکرِ فضل حضور آہ یہ لکھا تیرا •

سرکارغوث اعظم کا ارشاد ہے:

تکذِیبکُم لی سَمٌّ قاتِلٌ لادیانِکم وسببٌ لِذَھابِ دُنیاکم و اُخراکُم۔

''میرے ارشاد کو خلاف بتانا تمہارے دین کیلئے زہرِ قاتل اور تمہاری دنیا و عقبیٰ کی بربادی کا سبب ہے''۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ (فتاویٰ رضویہ جلد 3 صفحہ 523)

اسی طرف اشارہ ہے:

باز اشہب کی غلامی سے یہ آنکھیں پھرنی
دیکھ اُڑ جائے گا ایمان کا طوطا تیرا
حکم نافذ ہے ترا، خامہ ترا، سیف تری
دم میں جو چاہے کرے، دَور ہے شاہا تیرا

نسبتِ قادری اور غیرتِ نسبت کا اثر بھی اِمام اَحمد رضا رحمۃ اللہ علیہ پر ویسا ہی تھا جو اکابر اولیاء کو اپنے شیوخ کی بارگاہوں میں ہوتا۔ ایک بار عرض کیا گیا: حضرت سیّد اَحمد زروق رضی اللہ عنہ نے (جو بزرگوں میں ہیں) فرمایا:

''جب کسی کو کوئی تکلیف پہنچے یا زروق کہ کر ندا کرے، مَیں فوراً اس کی مدد کروں گا۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

''مگر میں نے کبھی اِس قسم کی مدد نہ طلب کی۔ جب کبھی میں نے استعانت کی، یا غوث ہی کہا۔ یک در گیر، محکم گیر۔

میری عمر کا تیسواں سال تھا کہ حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ میں حاضر ہوا۔ اِحاطہ میں مزامیر وغیرہ کا شور مچا تھا۔ طبیعت منتشر ہوتی تھی۔ میں نے عرض کیا: حضور! میں آپ کے دربار میں حاضر ہوا ہوں۔ اِس شور وشغب سے مجھے نجات ملے۔ جیسے ہی پہلا قدم روضۂ مبارک میں رکھا ہے کہ معلوم ہوا سب یکدم چپ ہو گئے۔ میں سمجھا کہ واقعی سب لوگ خاموش ہو گئے۔ قدم درگاہ شریف سے باہر نکالا پھر وہی شور وغل تھا پھر اندر قدم رکھا پھر وہی خاموشی۔ معلوم ہوا کہ یہ سب حضرت کا تصرف ہے۔ یہ بیّن کرامت دیکھ کر مدد مانگنی چاہی۔ بجائے حضرت محبوب الٰہی رضی اللہ عنہ کے اسم مبارک کے ''یا غوثاہ'' زبان سے نکلا۔ وہیں مَیں نے اکسیرِ اعظم (1302ھ) قصیدہ درشانِ غوثِ اعظم بھی تصنیف کیا۔ (ملفوظات حصہ 3 صفحہ 59)

اس قصیدہ میں عرض کرتے ہیں:

سر توئی سرور توئی سر را سروساماں توئی
جاں توئی جاناں توئی جاں را قرارِ جاں توئی

سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے بغداد میں جب برسرِ منبر فرمایا تھا:

قَدَمِیْ هٰذِهٖ عَلٰی رَقَبَةِ كُلِّ وَلِیِّ اللّٰهِ

''میرا یہ قدم ہر ولیُّ اللہ کی گردن پر ہے''۔

تو اولیائے روئے زمین کی طرح حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی سرزمینِ ہند سے جواب دیا:

بَلْ عَلٰی عَیْنِیْ وَ رَاْسِیْ۔

''بلکہ میرے چشم وسر پر''۔

اس کیفیت کو بھی نظم فرمایا ہے:

بہر پایت خواجۂ ہنداں شہِ کیواں جناب
بل علیٰ عینی و راسی گوید آں خاقاں توئی
بندہ ات، غیرت بَرد گر بردرِ غیرت رَود
وَر رَود چوں بنگر دہم شاہِ آں ایواں توئی

ایک قصیدہ میں عرض کیا گیا:

بندہ مجبور ہے خاطر پہ ہے قبضہ تیرا

یہ سرکار غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے ایک ارشاد کا ترجمہ ہے۔ بعض حضرات کو اس پر اعتراض ہوا۔ اسی طرح

''حاجیو آؤ شہنشاہ کا روضہ دیکھو''

پر ایک صاحب کو لفظِ شہنشاہ کے غیر اللہ پر اطلاق کی ممانعت کا خدشہ ہوا تو دونوں کا مفصل جواب ایک رسالہ میں جمع فرمایا ہے: فِقْهُ شهنشاه و اَنَّ القلوبَ بِیَدِ المحبوب بِعَطاءِ اللّٰه (1326ھ)

بہجۃ الاسرار شریف اور دیگر اکابر کی کتابوں میں خود حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے ''صلاۃ

الاسرار'' مروی ہے جس میں بعدِ نماز سمتِ بغداد گیارہ قدم چلتے ہوئے سرکارِ غوثیت سے استمداد بھی ہے۔

غوث اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''جو حاجت ہو، پوری کی جائے گی''۔

یہ نماز اولیائے کرام کے معمولات و مجربات سے ہے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حسنِ نیت ہو خطا پھر کبھی کرتا ہی نہیں
آزمایا ہے یگانا ہے دوگانہ تیرا

ظاہر ہے کہ منکرینِ استعانت و توسّل کو اس ''صلاۃ الاسرار'' پر اعتراض ضرور ہوگا[1]۔ ان کے جواب میں ایک رسالہ ''اَنہار الانوار مِن یَمِّ صلاۃِ الاسرار'' تصنیف فرمایا ہے۔ جس میں اکابرِ امت اور اکابرِ منکرین سے اس کا جواز ثابت کیا ہے۔ بہت سے اہم صوفیانہ نکات بھی اس کے اندر رقم ہوئے ہیں پھر مولانا شاہ محمد ابراہیم قادری حیدر آبادی رحمۃ اللہ علیہ کو اس نماز کا اجازت نامہ لکھتے ہوئے عربی میں رسالہ ''اَزھار الانوار منْ صبا صلاۃِ الاسرار'' رقم فرمایا ہے۔ جس میں نماز غوثیہ کا مکمل طریقہ سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے ارشاد کی شرح کے ضمن میں لکھا ہے اور گیارہ کے عدد اور بارگاہِ غوثیت سے اس کے تعلق کے بارے میں بڑا ہی اہم نکتہ قلم بند کیا ہے جو خالص ذوقی و عرفانی ہے اور تصریح فرمائی ہے کہ یہ نکتہ قلبِ فقیر پر الہامِ غیبی ہے۔ شاید اکثر حضرات کے فہم اور ذوق سے بالاتر ہو اس لئے یہاں نقل کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ اہلِ علم کی نظر سے گزر چکا ہوگا یا بعد میں دیکھ لیں گے۔ اس تفصیل کا مدعا یہ ہے کہ بارگاہِ قادریت سے متعلق اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے جو عرض کیا ہے:

۱- میاں ابوالحسن علی ندوی نے تو اعتراض سے بھی آگے بڑھ کر کھلا ہوا افتراء کیا ہے۔ ''ارکانِ شریعت'' کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ یہ ''نماز بغداد کی طرف رُخ کر کے پڑھی جاتی ہے''۔

حالاں کہ تمام اہل سنت یہی جانتے اور لکھتے ہیں کہ یہ اللہ کیلئے دو رکعت نماز نفل ہے جس میں ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ اور گیارہ بار سورۂ اخلاص کی قرأت کی جائے گی اور پوری نماز میں دوسری نمازوں سے کوئی فرق نہیں۔ بعد نماز حمد، درود، دعا اور استعانت البتہ ہے لیکن گمراہ گری اور افتراء پردازی کو حقیقت بیانی سے کیا سروکار؟ ۱۲ محمد احمد مصباحی

میری قسمت کی قسم کھائیں سگانِ بغداد
ہند میں بھی ہوں تو دیتا رہوں پہرا تیرا

یہ صرف شاعرانہ دعویٰ نہیں بلکہ حقیقت بھی یہی ہے کہ انہوں نے ناموسِ غوثیت کی حفاظت اور فضائلِ قادریت کے اظہار واعلان میں کوئی فروگذاشت روا نہ رکھی وہ ان کی محبت میں اعداء کی کوئی پروانہ کرتے تھے۔ البتہ دوستوں کے اعتقاد واعتماد کے تحفظ کی خاطر ہر شبہہ واعتراض کا شافی جواب دینا اپنا فرضِ منصبی ضرور سمجھتے تھے۔ وہ فرماتے ہیں:

دلِ اعداد کو رضا تیز نمک کی دُھن ہے
اک ذرا اور چھڑکتا رہے خامہ تیرا

اس کے بعد چوتھا قصیدہ کہتے ہیں جس کا مقطع ہے:

اے رضا! چیست غم ار جملہ جہاں دشمنِ تست
کردہ ام مامنِ خود قبلۂ حاجاتے را

سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ کے ارشاد مبارک کے مطابق وہ اس پر کامل اعتماد رکھتے ہیں کہ ان کے اقوال کی تکذیب اور ان کے احوال کا انکار اپنی عاقبت کی بربادی ہے۔ اشعار میں بھی اس طرف اشارہ گزر چکا ہے۔ اسی اعتماد واعتقاد کا ثمرہ ہے کہ مشکل مسائل میں حضرت قادریت سے ان پر فیوض وعلوم کی بارش ہوتی کہ اثر خامہ دیکھتے رہیے۔ اس بارشِ فیض کا خود بھی ذکر فرماتے ہیں۔ رسالہ "انھار الانوار مِنْ یَمِّ صلوٰۃِ الاسرار" کے آخر میں رقمطراز ہیں:

"یہ ہے جو اسے گدائے سرکارِ فیض بارِ قادریہ پر برکات ونعماتِ حضور پرنور غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے فائض ہوا۔

گر قبول افتد زہے عز وشرف

گدائے بینوا، فقیر ناسزا، اپنے تاجدار عظیم الجود عمیم العطا کے بے نعمت وکرم بے علت سے اس صلے کا طالب کہ عفو وعافیت وحسنِ عاقبت کے ساتھ اس دارِ ناپائیدار سے رخصت ہوئے۔ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز پسر، بتولِ زہرا کے لختِ جگر، علی مرتضیٰ کے نورِ نظر، حسن وحسین کے قرۃ بصر، محیِ سنتِ ابی بکر وعمر

صلی اللّٰہ تعالیٰ علی الحبیب وعلیھم وسلم یعنی حضور غوثِ صمدانی، قطب ربانی، واھبُ الآمال و مُعطی الاُمانی حضور پرنور غوث اعظم، قطبِ عالم، محی الدین ابو محمد عبدالقادر حسنی حسینی جیلانی رضی اللہ عنہ و ارضاہ وجعل حِرزَ نافی الدین رضاہ کی محبت وعشق وعقیدت واتباع واطاعت پر جائے اور جس دن "یَوْمَ نَدْعُوْ کُلَّ اُنَاسٍ بِاِمَامِھِمْ" کا ظہور ہو، یہ سراپا گناہ، زیرِ لوائے بیکس پناہ، سرکارِ قادریت ظلِ اِلٰہ جگہ پائے۔ فَاِنَّ ذَالِکَ عَلَی اللّٰہِ یَسِیْرٌ۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ"۔ (فتاویٰ رضویہ جلد 3 صفحہ 548)

اسی نسبت وعقیدت کا صلہ تھا کہ اربابِ باطن کو سرکارِ غوثیت سے یہی بتایا گیا کہ ہمارا نائب بریلی میں اَحمد رضا ہے۔ مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی منقبت میں اس طرف اشارہ کیا ہے۔ وہ نواسنج ہیں:

تمہیں پھیلا رہے ہو علمِ حق اکنافِ عالم میں
اِمامِ اہلسنّت نائب غوث الوریٰ تم ہو

کرامات:

اِمام اَحمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے تصوّفِ عملی کے باب میں اب تک جو ذکر ہوا یہی وہ استقامت علی الشریعہ ہے جسے سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے ولی کی کرامت کہا اور یہی وہ کرامت ہے جس کے بارے میں سید المکاشفین حضرت محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اس میں استدراج اور مکر کا دخل نہیں۔ یہ اصل کرامتِ معنوی ہے جس پر خاص کو آگاہی ہوتی ہے لیکن ان کی حیات میں بہت سی کراماتِ حسّی بھی موجود ہیں جو سوانح کی کتابوں میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

اب مَیں بعض وہ کرامات بھی ذکر کردوں جو عوام کو بھی محسوس ہونے والی ہیں اور کرامتِ معنوی کے ثبوت کے بعد کرامتِ حسّی بلاشبہ دلیلِ ولایت یا دلیل بالائے دلیل ہے۔

1- اوقات کا قبض وبسط بھی کراماتِ اولیاء سے ہے۔ اِمام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الیواقیت والجواہر فی بیان عقائد الاکابر'' کی تصنیف کے دوران ایک قلیل مدت میں

متعدد بار پوری ''فتوحاتِ مکیہ لابن العربی'' کا مطالعہ کیا جب کہ اتنی ضخیم کتاب اتنی بار بالا ستیعاب دیکھنے کیلئے مدتِ مدید درکار تھی۔ اسے خود علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کرامت شمار کیا کیوں کہ ان کے نزدیک ضروری ہے کہ ولی کو خود بھی اپنی کرامت پر اعتقاد و یقین ہو جس طرح نبی کو اپنے معجزہ پر خود بھی یقین ہونا ضروری ہے۔

سیدی امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ الفیوضات الملکیہ لمحب الدولۃ المکیہ (1324ھ) میں خود اپنی ایک کرامت اسی قسم کی بیان کرتے ہیں اگرچہ حاشیہ میں انکساراً اسے کرامت نہیں بلکہ مَعونت لکھا ہے، فرماتے ہیں:

''فقیر قادری کے ساتھ دو بار ایسا معاملہ پیش آیا کہ آخرِ وقتِ فجر میں بیدار ہوا جب کہ کنارۂ آفتاب چمکنے میں بحسابِ علمِ توقیت صرف دس منٹ باقی تھے، غسل کی ضرورت تھی۔ استنجاء تطہیرِ نجاست اور مسواک سے فارغ ہو کر غسل خانہ میں گیا۔ گھڑی باہر رکھ دی تھی، اندر جا کر ایسا محسوس ہوا کہ وقت ابھی زیادہ ہے اس لئے سارے گرم کپڑے اتار کر رعایتِ آداب و سنن کے ساتھ باطمینان غسل کیا پھر سر سے اچھی طرح پانی جذب کر کے تمام کپڑے پہنے۔ باہر آ کر گھڑی دیکھی تو اس میں بالکل اتنا ہی وقت ہے جتنا پہلے تھا۔ خیال ہوا کہ رکھ دینے سے گھڑی بند ہو گئی تھی اور اٹھا لینے سے ابھی چلنے لگی اور نماز کا وقت نکل گیا اس لئے کہ اتنے سارے کاموں میں یقیناً دس منٹ سے زیادہ وقت صرف ہوا ہے اس فقیر کو ھیئت و نجوم اور توقیت کی بھی کامل معرفت ہے،[1] نگاہ اٹھا کر دیکھا تو اُفق یہ بتا رہا ہے کہ ابھی وقت ہے اور اتنا کہ فرض ہی نہیں سنتوں کی بھی گنجائش ہے لہٰذا سُنتیں ادا کیں۔ فرض بجماعت پڑھا اور مکان واپس ہو کر گھر کی عمدہ و صحیح بڑی گھڑی سے اپنی گھڑی ملائی تو دونوں بالکل مطابق تھیں اس سے سمجھا کہ چھوٹی گھڑی بند نہیں ہوئی تھی۔ اگر ایسا ہوتا تو دونوں میں ضرور فرق ہوتا۔ یقین کیا کہ مولیٰ سبحانہٗ تعالیٰ نے اس فقیر کے لئے ایک سیکنڈ سے کم وقت اتنا وسیع فرمایا کہ ان سارے کاموں کی گنجائش نکل

آئی۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ"۔ (الفیوضات الملکیۃ لمحب الدولۃ المکیۃ ملخصاً مترجماً)

خیال رہے کہ یہ واقعہ دو بار پیش آیا اور اس میں شبہ نہیں کہ سیکنڈ سے کم وقت کا اتنا بسیط وسیع ہونا خارقِ عادت اور کرامت ضرور ہے۔

2- ایک بار اسمِ اعظم کا ذکر نکل آیا۔ فرمایا: ہر شخص کیلئے اسمِ اعظم الگ الگ ہوتا ہے اور جتنے حاضر تھے سب کیلئے اسمِ اعظم الگ الگ تجویز فرمایا۔ سید قناعت علی صاحب کی باری تھی کہ عصر کی اذان ہوگئی اور جلسہ برخاست ہوگیا۔ سید صاحب کو حسرت رہ گئی اس وقت تک دل میں یہی کسک رہی، مکبّر نے تکبیر کہی۔ حی علی الفلاح پر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اٹھے اور مصلّی پر دایاں قدم رکھا۔ اس وقت سید صاحب بالکل مایوس ہوکر دل میں کہنے لگے کہ آج یہ پہلی مثال ہے کہ میں محروم رہ جاتا ہوں۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فوراً ان کی طرف مڑ کر فرمایا: آپ کیلئے اسمِ اعظم ''یا خالق یا اللہ'' ہے پھر تکبیر تحریمہ کہی۔

3- جبل پور قیام کے زمانے میں ایک بار اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ محفلِ میلاد شریف میں سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات بیان فرما رہے تھے۔ اسی دوران یکایک منبر سے اتر کر کھڑے ہوگئے اور صلوٰۃ و سلام عرض کرنے لگے۔ لوگوں کو حیرت ہوئی کہ بیچ تقریر میں اچانک یہ کیا ہوا۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر تقریر شروع کی اور جلسہ ختم ہوا۔ بعد اجلاس مولانا مفتی برہان الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ایک مردِ صالح، دو بزرگوں نے الگ الگ نشستوں میں بیان کیا۔ درمیانِ تقریر ہماری آنکھ لگ گئی۔ ہم نے ایک عجیب جلوۂ نور دیکھا جو پوری فضاء کو محیط ہوتا جا رہا تھا اسی میں ہم محو تھے کہ صلوٰۃ و سلام کی آواز کانوں میں آنے لگی جسے سُن کر آنکھ کھل گئی۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: یہ سرکار کا کرم تھا کہ تجلی فرمائی۔ لوگوں نے اب سمجھا کہ درمیانِ تقریر اچانک منبر سے اتر کر صلوٰۃ و سلام پیش کرنے کا سبب کیا تھا؟

ان عرفانی آنکھوں نے بیداری میں وہ جلوۂ نورانی ملاحظہ فرمایا: باادب کھڑے ہوکر نذرانۂ صلوٰۃ و سلام پیش کرنے لگے۔ ایسا ہی واقعہ سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے ایک وعظ میں پیش آیا تھا۔

4- اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ایک مرید با اخلاص امجد علی خاں بھینسوڑی شریف کے رہنے والے تھے۔ کسی شکار میں ان کی گولی بجائے شکار کے آدمی پر لگی۔ پولیس نے مقدمہ قائم کر دیا اور قتل ثابت ہو گیا۔ پھانسی کی سزا سنائی گئی۔ ان کے گھر والے جیل میں پہنچے تو کہا: اطمینان رکھو! میں صبح گھر پر ناشتہ کروں گا۔ میرے پیرومرشد نے فرمایا ہے کہ ''جاؤ! ہم نے تمہیں چھوڑ دیا''۔ اب اُن کا حُسنِ اعتقاد اور کمالِ اعتماد بھی دیکھئے۔ جلّادوں نے پھانسی کے تختہ پر کھڑا کر دیا اور پوچھا: اپنی خواہش بتاؤ! انہوں نے جواب دیا: ابھی میرا وقت نہیں آیا ہے، وہ سب حیرت سے مُنہ تکنے لگے کہ عجب دیوانہ ہے، تختۂ دار پر کھڑا کیا جا چکا ہے، جان جانے میں صرف پھندا کھینچنے کی دیر ہے اور کہتا ہے: ابھی میرا وقت نہیں آیا۔ اتنے میں لندن سے تار آیا کہ ملکہ وکٹوریہ کی تاج پوشی کی خوشی میں اتنے خونی، اتنے قیدی رہا کیے جائیں۔ ان کو اُتار لیا گیا۔ گھر آ کر دیکھا تو لاش لانے کی تیاری ہو رہی تھی اور کہرام بپا تھا۔ انہیں دیکھ کر سب حیرت زدہ رہ گئے مگر انہوں نے کہا کہ مجھ اپنے پیرومرشد کے ارشاد پر یقین تھا۔ اس لئے میں نے کہا تھا کہ ناشتہ گھر آ کر کروں گا۔ ناشتہ لاؤ لیکن ابھی ناشتہ کہاں؟

5- ایک اور واقعہ بنارس میں پیش آیا جس کے راوی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خادمِ خاص جناب کفایت اللہ صاحب ہیں۔ بیان فرماتے ہیں: اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ بنارس تشریف لے گئے، ایک دن دوپہر کو ایک جگہ دعوت تھی۔ میں بھی ہمراہ تھا۔ واپسی میں تانگے والے سے فرمایا: اس طرف فلاں مندر کے سامنے سے ہوتے ہوئے چلو! مجھے حیرت ہوئی کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ بنارس کب تشریف لائے اور کیسے یہاں کی گلیوں سے واقف ہوئے اور اس مندر کا نام کب سُنا؟ اسی حیرت میں تھا کہ تانگہ مندر کے سامنے پہنچا۔ دیکھا کہ ایک سادھو مندر سے نکلا اور تانگہ کی طرف دوڑا۔ آپ نے تانگہ رکوا دیا۔ اس نے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کو ادب سے سلام کیا اور کان میں کچھ باتیں ہوئیں جو میری سمجھ سے باہر تھیں پھر وہ سادھو مندر میں چلا گیا۔ ادھر تانگہ بھی چل پڑا تب میں نے عرض کی: حضور یہ کون تھا؟ فرمایا: ''ابدالِ وقت''۔ عرض کی: مندر میں! فرمایا:

آم کھائیے، پتے نہ گنئے''۔ (کراماتِ اعلیٰ حضرت صفحہ 67)

کراماتِ حسّی کا تذکرہ یہیں ختم کرتا ہوں۔ یہ ذہن نشین رہے کہ اصل کرامت استقامت علی الشریعہ ہے، اس کے بعد اگر کوئی خارق عادت ثابت ہو تو یقیناً کرامت ہوگا ورنہ استدراج میں داخل ہوگا اور امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت یہ بھی ہے کہ ان کے خلفاء، تلامذہ اور مریدین اصحابِ کرامت ہوئے۔

حضرت صدرالشریعہ مولانا امجد علی اعظمی مصنف بہارِ شریعت رحمۃ اللہ علیہ خاص اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ و مرید تھے۔ ان کی جامعیتِ شریعت و طریقت معروف و مشہور ہے۔ وصال کے بعد برسات کی وجہ سے مزار شریف کا ایک حصہ کُھل گیا۔ پورا باغ جس میں مدفون ہیں، خوشبو سے معطر ہو گیا۔ گھوسی کے چھوٹے بڑے سب نے اِس کرامت کا مشاہدہ کیا اور عینی شاہدین کا بیان ہے کہ یہ خوشبو نہ پہلے ہم نے کسی چیز میں پائی نہ بعد میں اس کی نظیر نظر آئی۔ غیروں نے بھی دیکھا اور برملا اس کا اعتراف کیا۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خلفِ اصغر حضرت مفتی اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ ملفوظات کے دیباچہ میں فرماتے ہیں:

> ''صحبت بغیر رنگ لائے نہیں رہتی اور پھر اچھوں کی صحبت اور وہ بھی کون جنہیں سید العلماء کہیں تو حق یہ ہے کہ حق ادا نہ ہو، جنہیں تاج العرفاء کہیں تو بجا، جنہیں مجددِ وقت اور اِمامِ اولیاء سے تعبیر کریں تو صحیح، جنہیں حرمین شریفین طیبین کے علمائے کرام نے مدائحِ جلیلہ سے سراہا۔ اِنّہ السیّدُ الفردُ الاِمام کہا۔ ان کے ہاتھ پر بیعت ہوئے، انہیں اپنا شیخِ طریقت بنایا۔ ان سے سندیں لیں، اجازتیں لیں، انہیں اپنا استاد بنایا۔ پھر ایسے کی صحبت کیسی با برکت صحبت ہوگی۔ سچ تو یہ ہے کہ صحبت کی برکت نے انسان کر دیا۔ میری جان ان پاک قدموں پر قربان۔ جب سے یہ قدم پکڑے، آنکھیں کھلیں۔ اچھے بُرے کی تمیز ہوئی، اپنا نفع و زیاں سوجھا۔ مَنہیّات سے تابہ مقدور اِحتراز کیا اور اَوَامر کی بجا آوری میں مشغول ہوا''۔ (الملفوظ صفحہ 4 حصہ 1)

یہ اعتراف استفاضہ کافی ووافی ہے۔ اب آپ خود مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی پر نظر ڈالیں۔ شریعت کے سانچے میں ڈھلی ہوئی زندگی، طریقت کی میزان پر تلی ہوئی زندگی اور کرامات وخوارقِ عادات سے بھری ہوئی زندگی۔ اس زندگی کے جلوے اب بھی آنکھوں میں محفوظ ہوں گے۔ اس لئے مجھے تفصیل کی ضرورت نہیں۔ ظاہر ہے کہ جب زندگی کا یہ عالَم ہے تو زندگی ساز کا عالم کیا ہوگا؟

حضرت مولانا عبدالسلام جبل پوری رحمۃ اللہ علیہ کی کرامات بھی مَیں سن چکا ہوں اور دیکھنے والے اب بھی موجود ہیں۔ یہ بھی اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ وفیض یافتہ تھے۔ حدتو یہ ہے کہ استاذ صدر الشریعہ سیدنا محدِّث سورتی مولانا وصی اَحمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ جو اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے عمر میں بیس سال بڑے تھے، محشی بخاری مولانا محمد اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ حدیث اور حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید رشید تھے۔ وہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے حصولِ فیض کا اعتراف کچھ عجب انداز میں کرتے ہیں جواُن کی عالی ظرفی کے ساتھ امام اَحمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کا مقامِ بلند بھی بتاتا ہے۔

حضرت مولانا سید محمد صاحب کچھوچھوی محدث اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاذِ گرامی حضرت محدث سورتی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک بار پوچھا کہ آپ کو شرفِ بیعت حضرت مولانا شاہ فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل ہے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ آپ کا شوق جو اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے ہے وہ کسی سے نہیں۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی یاد، ان کا تذکرہ، ان کے فضل وکمال کا خطبہ آپ کی زندگی کیلئے روح کا مقام رکھتا ہے۔ اِس کی کیا وجہ ہے؟

فرمایا: صاحب زادے! سب سے بڑی دولت وہ علم نہیں ہے جو میں نے مولوی محمد اسحاق رحمۃ اللہ علیہ سے پایا اور وہ بیعت نہیں ہے جو گنج مراد آباد میں نصیب ہوئی بلکہ وہ ایمان ہے جو مدارِ نجات ہے۔ یہ میں نے صرف اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے پایا اور میرے سینے میں پوری عظمت کے ساتھ مدینہ کو بسانے والے اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ اس لئے ان کے تذکرہ سے میری روح میں بالیدگی پیدا ہوتی ہے اور ان کے ایک ایک کلمہ کو اپنے لئے مشعلِ ہدایت جانتا ہوں۔ (حیاتِ اعلیٰ حضرت صفحہ 65)

حضرت محدث اعظم کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''حضرت کا اندازِ بیان اور آنکھیں پُرنم مگر مجھے ایسا محسوس ہوا کہ واقعی ولی را ولی می شناسد اور عالم را عالم می داند''۔ (خطبہ صدارت جشن ولادت اعلیٰ حضرت منعقدہ ناگپور)

اب غور کریں کہ ایسی جلیل القدر ہستیوں کو آفتاب و ماہتاب بنانے والا خود کتنا عظیم ہو گا۔ ایسے اکابر نے جس سے درسِ معرفت حاصل کیا ہو اور وہ جس سے نسبتِ تربیت رکھتے ہوں، وہ کتنا بڑا عارفِ کامل، ولیِ واصل، صوفیِ صادق اور مرشدِ حاذِق ہوگا۔ سچ فرمایا مبلغِ اسلام مولانا عبدالعلیم صدیقی میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ نے:

جو مرکز ہے شریعت کا مدار اہلِ طریقت کا
جو محور ہے حقیقت کا وہ قطب الاولیاء تم ہو
ہیں سیّارہ صفت گردش کناں اہلِ طریقت یاں
وہ قطبِ وقت اے سرخیلِ جمع اولیاء تم ہو



باب سوم:

تصوّفِ علمی اور تعلیماتِ تصوّف

یہ باب پہلی دونوں قسموں سے زیادہ وسیع نظر آتا ہے کیونکہ تعلیمات میں تصوّفِ اعتقادی اور تصوّفِ عملی دونوں کی تشریحات وتوضیحات ملتی ہیں۔

فنِ تصوّف میں تصانیف:

خاص فنِ تصوّف میں بھی اِمام اَحمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفات ہیں جن میں سے صرف چار ہماری نظر سے گزر سکی ہیں۔

1- کشف حقائق واسرار ودقائق (1308ھ): یہ رسالہ بعض مُشکل اشعار کی نہایت آسان اور سادہ شرح پر مشتمل ہے۔

2- اَلْیاقوتة الواسطه فی قلب عقد الرابطه (1309ھ): یہ رسالہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اولیاء کرام اور اپنے مرشد وشیخ کی طرف روحانی توجہ اوران سے رابطۂ قلبی قائم کر کے کسبِ فیض سے متعلق ہے۔ مشائخ اور اولیائے کرام کے نزدیک یہ طریقہ رائج و معمول ہے۔ بعض حضرات کو اس سے انکار ہوا تو اس کے جواز وثبوت میں یہ مختصر، جامع اور علمی وتحقیقی رسالہ سپردِ قلم فرمایا۔

3- اَنْہار الانوار مِنْ یَمِّ صلاۃِ الاسرار (1305ھ): یہ رسالہ صلاۃ الاسرار معروف بہ نمازِ غوثیہ کے ثبوت اور بہت سے اسرار ودقائق کے بیان میں ہے۔

4- اَزْھار الانوار مِنْ صبا صلاۃِ الاسرار (1305ھ): نمازِ غوثیہ کے طریقہ اور اسرار و نِکات کے بیان میں رقم فرمایا گیا۔

ان کے علاوہ دیگر علمی تصانیف میں جو مضامینِ تصوّف جا بجا آ گئے ہیں، ان کا شمار نہیں اور سب کی جمع وترتیب بہت مشکل ہے۔ فنِ تصوّف کی مشہور کتب احیاء العلوم، ابریز شریف، حدیقہ ندیہ، الیواقیت والجواہر، میزان الشریعۃ الکبریٰ وغیرہ کے حواشی بھی تحریر

فرماتے ہیں۔ علمِ تکسیر و جفر جو خاص علوم مشائخ و اولیاء کرام سے ہیں ان میں بھی مفید و جلیل تصنیفات ہیں۔ خصوصاً فنِ تکسیر میں تو ایجاد کا درجہ رکھتے تھے۔

میں یہاں تکمیلِ اقسام کیلئے چند افادات کا ذکر کرتا ہوں۔ جو حضرات مزید تحقیق چاہیں وہ خود اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تصانیف کی طرف رجوع کریں۔

وحدتِ وجود و شہود و معبود:

امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ" میں وحدت وجود و شہود و معبود سے متعلق رقمطراز ہیں:

"حقیقی وجود صرف اللہ کیلئے ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سب سے سچی بات جو عرب نے کہی، وہ لبید شاعر کا یہ قول ہے: "اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰہِ بَاطِلٌ" ہمارے نزدیک ثابت ہو چکا ہے کہ کلمۂ لا الٰہ الا اللہ کا معنیٰ عوام کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور خواص کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی مقصود نہیں اور اخص الخواص کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی مشہود نہیں اور جو مقامِ نہایت تک پہنچ گئے ان کے نزدیک یہ ہے کہ خدا کے سوا کوئی موجود نہیں اور سب حق ہے۔ مدارِ ایمان اول پر ہے۔ مدارِ صلاح دوم پر، کمالِ سلوک سوم پر اور وصول الی اللہ کا مدار چہارم پر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان چاروں معانی سے حظِّ کامل عطا فرمائے اپنے احسان و کرم سے۔ آمین"۔ (صفحہ 324)

تنزیہ مع تشبیہ بلا تشبیہ:

اہلِ حق اور صوفیۂ کرام کا مشہور عقیدہ ہے کہ "تنزیہ مع تشبیہ بلا تشبیہ"۔

علامہ فضل حق خیر آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے "الروض المجود فی تحقیق وحدۃ الوجود" کے آخر میں اس پر دلچسپ بحث کی ہے۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"تشبیہ محض کفر ہے اور تنزیہ محض گمراہی اور تنزیہ مع تشبیہ بلا تشبیہ عقیدۂ حقہ اہل

سنت ہے۔ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ وَّ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ۔ یہ تنزیہ مع تشبیہ بلا تشبیہ ہے۔ تشبیہ محض تو یہ ہوئی کہ وہ ہماری ہی طرح ایک جسم ہے۔ یہ کفر ہے۔ تنزیہ محض یہ کہ دیکھنے، سننے میں اس کو بندوں سے مشابہت لازم آتی ہے لہذا اس کا بھی انکار کر دیا جائے کہ خدا دیکھتا سنتا ہے۔ یہ کچھ اور صفات ہیں جن کو دیکھنے سننے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ گمراہی ہے۔ اصل صحیح عقیدہ یہ ہے کہ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ ''اس کی مثال کوئی شے نہیں''۔ یہ تنزیہ ہوئی اور وَھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ''وہی سننے دیکھنے والا ہے''۔ یہ تشبیہ ہوئی مگر جب سننے، دیکھنے کو بیان کیا کہ اس کا دیکھنا آنکھ کا، سننا کان کا محتاج نہیں۔ وہ بے آلات کے سنتا، دیکھتا ہے۔ یہ نفیِ تشبیہ ہوئی کہ بندوں سے جو وہم مشابہت ہونا، اس کو مٹایا تو ماحصل وہی نکلا ''تنزیہ مع تشبیہ بلا تشبیہ''۔ (ملفوظات حصہ 4 صفحہ 47، 48 تلخیصاً)

علمِ رسالت:

علمِ رسالت وغیرہ سے متعلق تصوّف اعتقادی کے بیان میں گزر چکا ہے کہ امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کا عقیدہ اور ان کی تعلیمات صوفیہ و عارفین کے مسلکِ حق و تحقیق کے عین مطابق ہیں اور وہ ہمیشہ اس پر سختی سے کاربند رہے۔ جہاں بھی ذکر کیا، اس سے سرمو انحراف گوارا نہ ہوا۔

افعالِ نماز کے اسرار و حکم:

اب میں نماز سے متعلق بعض لطائف و نکات کا تذکرہ کرتا ہوں جسے انشاء اللہ تعالیٰ اربابِ ذوق و عرفان قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ ہو سکا تو بعض الفاظ کی تسہیل و تلخیص بھی کروں گا۔ آپ علیہ الرحمۃ رقمطراز ہیں:

''نماز کے اکثر افعال و احکام اُن اسرار و حکم پر مبنی ہیں جن کا مدار حقیقۃً صرف اہلِ قلوب کے روشن و بلند احوال پر ہے۔ عوام بھی صورت احکام میں اُن کے شریک ہیں مثلاً دن والی نماز میں اخفاء واجب ہوا اور رات والی میں جہر کہ

رات آیتِ لطف ہے اور اس کی تجلّی لطیف اور دن آیتِ قہری ہے اور اس کی تجلّی شدید پھر قرآن کلامِ الٰہی کی تجلّی جہری تجلّیِ سِرّی سے بہت قوی و گرم لہٰذا اعتدال و تعدیل کیلئے تجلّیِ قہری کے ساتھ ٹھنڈی تجلّی رکھی گئی اور تجلّیِ لطفی کے ساتھ گرم۔

جمعہ و عیدین میں دن ہونے کے باوجود جہر کا حکم ہوا کہ بوجہ کثرتِ حاضرین اُنس حاصل اور دہشت زائل اور قلب بوجہِ شہودِ خلق شہودِ تجلّی سے قدرے ذاہل (غافل) بھی ہوگا۔ ساتھ ہی ایک ہفتہ کی تقصیرات جمع ہو کر حجاب میں ایک قسم کی قوت پیدا کرتی ہیں تو گاہے گاہے یہ علاج مناسب ہوا جو اپنی حرارت سے اُسے گلا دے جیسے اَطبّاء خطوطِ دقیقہ دیکھنے سے منع کرتے اور نادراً بغرضِ مشق و تمرین اُسے علاج سمجھتے ہیں۔

نمازِ کسوف میں گو جماعت کثیر اور وقفہ طویل ہے پھر بھی اِخفاء ہی رہا کہ وہ وقتِ تخویف و تجلّی جلال ہے اور وقفہ طویل ہے، جہر نہ ہو سکے گا۔ اسی لئے ہمارے نزدیک نماز جنازہ میں اصلاً قرأت نہیں کہ یہ ہیبتِ عظیم و تجلّیِ جلال، تجلّیِ شدید قرآنی سے جمع نہ ہو اور جو قرأت کہتے ہیں وہ بھی جہر نہیں رکھتے کہ شدّت پر شدّت بڑھ جائے گی۔

شب کو آٹھ رکعت تک ایک نیت سے جائز اور دن کو چار سے زیادہ منع کہ سُنّتِ الٰہیہ ہے۔ تجلّی شیأً فَشَیأً وارد کرتے اور ہر ثانی میں اول سے قوی بھیجتے ہیں تو تجلّی گرم نہاری کے ساتھ چار سے آگے تاب نہ آئے گی۔ اسی لئے ہر دو رکعت پر جلسۂ طویلہ کا حکم ہوا کہ خوب آرام پالے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد ضروری ہوئی کہ لطفِ جمال سے حظ اٹھالے اور پچھلی رکعتوں میں قرأت معاف کہ تجلیات بڑھتی جائیں گی شاید دشواری ہو اور منفرد پر جہر واجب نہیں کہ بوجہ تنہائی دہشت و ہیبت زیادہ ہوتی ہے۔ عجب نہیں کہ تاب نہ لائے تو اُسے اُس کے حال و وقت پر چھوڑنا مناسب۔ رکوع و سجود میں قرأتِ قرآن ممنوع ہوئی

کہ ان کی تجلّی تجلّیِ قیام سے سخت اشد، دوسری تجلّی شدید قرأت مل کر افراط ہوگی نیز قعود میں قرأت ممنوع ہوئی کہ وہ آرام دینے کیلئے رکھا گیا۔ تجلّی قرآنی کی شدت مل کر اسے مقصود سے خالی کر دے گی۔ اسی لئے رکوع کے بعد قومہ کا حکم ہوا کہ اس تجلّیِ قوی سے آرام لے کر تجلّیِ اقویٰ کی طرف جاتے ورنہ تاب نہ لائے گا۔ اسی بنا پر بینَ السجدتین اطمینان سے بیٹھنا واجب کیا گیا کہ تجلّیِ سجدہَ ثانیہ اور اشد و اعظم ہوگی۔ پے در پے اشد بر اشد آنے سے بُنیانِ بشری نہ منہدم ہو جائے۔

عارف باللہ امام عبدالوہاب شعرانی علیہ الرحمۃ ''میزان الشریعۃ الکبریٰ'' میں نقل فرماتے ہیں:

''حضور پرنور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کے ایک مرید نے سجدہ کیا۔ جسم گھلنا شروع ہوا یہاں تک کہ گوشت پوست ہڈی پسلی کسی شئے کا نشان نہ رہا۔ صرف ایک بوند پانی کی زمین پر پڑی رہ گئی۔ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے روئی کے پھوئے سے اٹھا کر زمین میں دفن کر دی اور فرمایا: سبحان اللہ! تجلّی کے سبب اپنی اصل کی طرف پلٹ گیا''۔

قسمت نگر کہ کُشتہَ شمشیر عشق یافت
مَرگے کہ زِندگاں بدُعا آرزو کُنند''

(فتاویٰ رضویہ جلد 3 صفحہ 541،542)

ادائے نماز کی باطنی کیفیّت اور دفعِ وسوسہ:

امام محمد بن محمد غزالی علیہ الرحمۃ نے اپنی مشہورِ زمانہ تصنیفِ تصوّف ''احیاءعلوم الدین'' کی جلد اول میں ایک مستقل باب اُن خیالات و تصورات کے متعلق رکھا ہے جن کو اذان تا وضوء تمام نماز نمازی کو اپنے دل میں حاضر رکھنا چاہئے۔ اسی میں لکھا ہے کہ التحیات کے اندر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجنے سے پہلے اپنے دل میں سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کا جمال اور ان کی صورت بے مثال حاضر کر کے کہو:

اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ وَرَحْمَۃُ اللّٰہِ وَبَرَکَاتُہٗ

اور یقین رکھو کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے سلام سے بہتر جواب عنایت فرمار ہے ہیں۔

امام احمد رضا علیہ الرحمۃ نے بھی ادائے نماز اور دفعِ وسواس کا بڑا ہی موثر طریقہ قلم بند فرمایا ہے۔ تجربہ ہے کہ حضورِ قلب اور حسنِ نماز کے لئے یہ اکسیر ہے۔ اس سے پہلے بھی ایک بڑا مفید بیان ہے لہٰذا وہ بھی نقل کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں:

1- جس وقت سونے سے اٹھے خیال کہ مجتمع تھا۔ بجلی کی چال سے منتشر ہو جانا چاہتا ہے۔ اگر پھیل گیا تو سمٹنا مشکل ہو جاتا ہے۔ معاً آنکھ کھلتے ہی پہلا کام یہ کرے کہ خیال کو روک کر تصوّر میں تین مرتبہ کلمۂ طیبہ پڑھے۔ یہ ابتداء اس کے خیال کی ہوگی تو دن بھر اس کی برکت اس کے خیال پر حاوی رہے گی۔

اب ادائے نماز کی کیفیت میں ان کی بیش بہا تعلیمات ملاحظہ ہوں۔ فرماتے ہیں:

2- نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ بقوت باندھے جائیں۔ نفس کا معدن زیر ناف ہے اور یہاں سے وسوسے اُٹھتے ہیں اور قلب کو جاتے ہیں۔ اس لئے ائمۂ شافعیہ رضی اللہ عنہم قلب کے نیچے پیٹ پر ہاتھ باندھتے ہیں کہ دشمن کا راستہ روکیں اور ہمارے ائمہ رضی اللہ عنہم ناف کے نیچے باندھتے ہیں کہ ابتدائے سرچشمہ کی بندش کریں۔ ہاتھ وقتاً فوقتاً ڈھیلے ہو جائیں گے، انھیں کس لیا کریں۔

3- نگاہ کے مواضع جو شریعت نے بتائے ہیں، اس سے یہی مقصود ہے کہ خیال پریشان نہ ہونے پائے۔ اس کی پابندی ضرور ہے۔ قیام میں نگاہ جائے سجدہ پر رہے۔ رکوع میں پاؤں پر، قعود میں گود پر اور سلام میں شانے پر۔

4- کان اپنی آواز سے بھرے رہیں۔

5- پڑھنے میں جلدی چاہیے کہ آہستہ ڈھیل کے ساتھ جو پڑھا جائے، خیال کو انتشار کا میدانِ وسیع ملتا ہے اور جب جلد جلد الفاظ ادا کئے گئے اور صحت کا بھی لحاظ رہے تو خیال کو اُس طرف سے فرصت ملے گی۔

6- ایک بڑی اصل یہ ہے کہ سر سے پاؤں تک ہر جوڑ، ہر رگ نرم اور ڈھیلا اور تصور میں

زمین کی طرف متوجہ رہے۔ ہاتھ کھنچے ہوئے نہ ہوں۔ مونڈھے اوپر کو نہ چڑھے ہوں اور پسلیاں سخت نہ ہوں۔ بدن کی یہ وضع بھی وقتاً فوقتاً بدل جائے گی۔ لحاظ رکھیں۔ تبدّل پاتے ہی فوراً ٹھیک کرلیں۔ اس کا یہ معنیٰ نہیں کہ قیام میں جھکا ہوا کھڑا ہو یا رکوع میں سر نیچا ہو یا سجود میں کلائی یا بازو یا زانو خلافِ وضع ہوں کہ یہ تو ممنوع ہے بلکہ توجہ میں ہر عضو زمین کی طرف جھکا ہوا ہو، پٹھے کھچے ہوئے ہوں، نرم ہوں اور یہ تجربے سے ظاہر ہو جائیں گے۔ جس طرح بتایا گیا سیدھا کھڑا ہو، تھوڑی دیر میں دیکھے گا کہ پٹھے سخت ہوگئے، شانے اور پسلیاں اوپر کو چڑھتے ہوئے معلوم ہوئے اور تصور ٹھیک کرتے ہی بغیر اس کے کہ بدن کو کوئی جنبش دے، محسوس ہوگا کہ سب اعضاء اتر آئے اور زمین کی طرف متوجہ ہوگئے۔

7- اگر اذکارِ نماز کے معنیٰ معلوم ہیں فبہا ورنہ اتنا تصور جمائے رہے کہ میں اپنے رب کے رُوبرو کھڑا عاجزی کر رہا ہوں اور اس پر مُعین ہوگا گڑگڑانے کی صورت منہ بنانا۔ جب یہ وضع بدلے، فوراً متوجہ ہوکر پھر بنالے معاً خیال صحیح ہو جائے گا۔

8- وسوسے جو آئیں ان کے دفع کی کوشش نہ کرے اس سے لڑائی باندھنے میں بھی اس کا مطلب حاصل ہے کہ بہر حال نماز سے غافل ہوکر دوسرے کام میں مشغول ہوا بلکہ معاً اُدھر سے خیال اپنے رب کے حضور عاجزی کی طرف متوجہ کردے اور وسوسے کو یہ سمجھ لے کہ کوئی دوسرا بک رہا ہے مجھ سے کچھ کام نہیں۔ اگر زیادہ ستائے تو اسی عاجزی میں اپنے رب سے فریاد کرے اس کا قاعدہ ہے کہ یادِ الٰہی کرتے ہی بھاگ جاتا ہے۔

9- بڑا گر یہ ہے کہ پیٹ نہ خالی ہو نہ بھرا۔ اتنا خالی کہ بھوک پریشان کرے یہ بھی مضر ہوگا۔ بھرے کے ضرر کا تو کچھ ٹھکانا ہی نہیں۔ افضل و اولیٰ تہائی پیٹ ہے۔

(کشکولِ فقیر قادری صفحہ 43 تا 45)

بغیر پیر کے فلاح نہیں؟:

کہا جاتا ہے کہ بغیر پیر کے فلاح نہیں اور جس کا کوئی پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہے ان دونوں باتوں سے متعلق افریقہ سے حاجی اسمٰعیل میاں نے سوال کیا۔ اس کا جواب امام احمد

رضا علیہ الرحمہ نے جس بسط و تحقیق کے ساتھ لکھا ہے وہ خاص ان ہی کے قلم کا حصہ ہے۔ یہاں اس کا ایک عمدہ خلاصہ رقم کیا جاتا ہے۔فرماتے ہیں:

''ہاں اولیائے کرام کے ارشاد سے دونوں باتیں ثابت ہیں اور عنقریب ہم ان دونوں کو قرآنِ عظیم سے استنباط کریں گے۔ یہ مقام بہت تفصیل و توضیح چاہتا ہے''۔

فلاح کی قسمیں:

فاقول و باللّٰہ التوفیق۔ فلاح دو قسم ہے:

1- انجام کار رستگاری اگرچہ معاذ اللہ سبقتِ عذاب کے بعد ہو۔ یہ عقیدۂ اہلسنّت میں ہر مسلمان کیلئے لازم اور کسی بیعت و مریدی پر موقوف نہیں۔ اس کے واسطے صرف نبی کو مرشد جاننا بس ہے بلکہ ابتدائے اسلام میں کسی دور دراز پہاڑ یا گمنام ٹاپو کے رہنے والے غافل جن کو نبوت کی خبر ہی نہ پہنچی اور دنیا سے صرف توحید پر گئے بالآخران کیلئے بھی یہ فلاح ثابت۔

2- کامل رستگاری و بے عذاب دخولِ جنت ہو۔

اس کے دو پہلو ہیں:

(i) **وقوع**: یہ مذہبِ اہلسنّت میں محض مشیّتِ الٰہی پر ہے۔ جسے چاہے ایسی فلاح عطا فرمائے اگرچہ لاکھوں کبائر کا مرتکب ہو اور چاہے تو ایک گناہِ صغیرہ پر گرفت کرے اگرچہ لاکھوں حسنات رکھتا ہو (اگرچہ وہ ایسا کرے گا نہیں۔لقولہٖ تعالیٰ: وَیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحُسْنٰی ۝ اَلَّذِیْنَ یَجْتَنِبُوْنَ کَبٰٓئِرَ الْاِثْمِ وَ الْفَوَاحِشَ اِلَّا اللَّمَمَ اِنَّ رَبَّکَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَۃِ) یہ عدل ہے اور وہ فضل۔یَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ۔

(ii) **امید**: یعنی انسان کے اعمال، افعال، اقوال، احوال ایسے ہونا کہ اگر انہیں پر خاتمہ ہو تو کرم الٰہی سے امید واثق ہو کہ بلا عذاب داخلِ جنت کیا جائے۔ یہی وہ فلاح ہے جس کی تلاش کا حکم ہے۔

یہ پھر دو قسم:

(i) **فلاح ظاہر**: حاشا! اس سے وہ مراد نہیں کہ نرے ظاہرداروں کو مطلوب جن کی نظر صرف اعمالِ جوارح پر مقصور، ظاہر احکامِ شرع سے آراستہ اور معاصی سے منزّہ کر لیا اور متقی و مُفلح بن گئے اگرچہ باطن ریا، عُجب، حسد، کینہ، تکبّر، حُبِ مدح، حُبِ جاہ، محبت دنیا، حُبِ شہرت، تعظیم امراء، تحقیرِ مساکین، اتباعِ شہوات، مُداہنت، کفرانِ نعم، حرص، بخل، طولِ اَمل، سوءِ ظن، عنادِ حق، اصرار باطل، مکر، غدر، خیانت، غفلت، قسوت، طمع، تملّق اعتمادِ خلق، نسیانِ خالق، نسیانِ موت، جرأت علی اللہ، نفاق، اتباعِ شیطان، بندگی نفس، رغبتِ بطالت، کراہتِ عمل، قلتِ خشیت، جزع، عدمِ خشوع، غضب للنفس، تساہل فی اللہ وغیرہا مُہلکاتِ آفات سے گندہ ہو رہا ہو بلکہ فلاح ظاہر یہ کہ دل و بدن دونوں پر جتنے احکام الٰہیہ ہیں، سب بجالائے۔ نہ کسی کبیرہ کا ارتکاب کرے نہ کسی صغیرہ پر مُصر رہے، نفس کے خصائلِ ذمیمہ اگر دفع نہ ہوں تو معطل رہیں اُن پر کاربند نہ ہو مثلاً دل میں بخل ہے تو نفس پر جبر کر کے ہاتھ کشادہ رکھے، حسد ہے تو محسود کی برائی نہ چاہے وعلیٰ ہٰذا القیاس کہ یہ جہادِ اکبر ہے اور اس کے بعد مؤاخذہ نہیں بلکہ اجرِ عظیم ہے۔

یہ فلاحِ تقویٰ ہے۔ آدمی اس سے سچا متقی ہو جاتا ہے۔ ہم نے فلاح ظاہر بایں معنیٰ کہا کہ اس میں جو کچھ کرنا، نہ کرنا ہے، اس کے احکام ظاہر وواضح ہو چکے ہیں۔ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ۔

(ii) **فلاح باطنی**: قلب و قالب رزائل سے مُتخلّی اور فضائل سے مُتحلّی کر کے بقایائے شرکِ خفی دل سے دور کیے جائیں یہاں تک کہ لَا مَقْصُوْدَ اِلَّا اللّٰہُ پھر لَا مَشْھُوْدَ اِلَّا اللّٰہُ پھر لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰہُ مُتجلّی ہو یعنی اوّلاً ارادۂ غیر سے خالی ہو پھر غیر نظر سے معدوم پھر حق حقیقت جلوہ فرمائے کہ وجود اُسی کیلئے ہے، باقی سب ظلال و پرتو۔ یہ منتہائے فلاح و فلاحِ احسان ہے۔ فلاحِ تقویٰ میں تو عذاب سے دوری اور جنت کا چین تھا اور فلاحِ احسان اُس سے اعظم ہے کہ عذاب کا کیا ذکر؟ کسی قسم کا اندیشہ و غم بھی ان

کے پاس نہیں آتا۔ اَلَآ اِنَّ اَوۡلِیَآءَ اللّٰهِ لَا خَوۡفٌ عَلَیۡهِمۡ وَلَا هُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ۔

بہر حال اس فلاح کیلئے (جس میں نجاتِ بے عذاب کی امید پہلے ہی سے پیدا ہو) ضرور پیر و مرشد کی حاجت ہے۔ چاہے قسمِ اول کی ہو یا دوم کی (یعنی فلاحِ ظاہر و فلاحِ تقویٰ ہو یا فلاحِ باطن و فلاحِ احسان ہو)۔

اقول: اب مُرشد بھی دو قسم ہے:

(i) **عام**: کلام اللہ و کلام الرسول و کلامِ ائمۂ شریعت و طریقت و کلامِ علمائے دین، اہلِ رُشد و ہدایت ہے۔ اسی سلسلۂ صحیحہ پر کہ عوام کا ہادی کلامِ علماء، علماء کا راہنما کلامِ ائمہ، ائمہ کا مُرشد کلامِ رسول، رسول کا پیشوا کلام اللہ۔

فلاحِ ظاہر ہو خواہ فلاحِ باطن، اُسے اس مرشد سے چارہ نہیں جو اس سے جدا ہے بلا شبہ کافر ہے یا گمراہ اور اس کی عبادت برباد و تباہ۔

(ii) **خاص**: بندہ کسی عالم سُنی صحیح العقیدہ، صحیح الاعمال جامعِ شرائطِ بیعت کے ہاتھ میں ہاتھ دے۔

یہ مُرشدِ خاص جسے پیر و شیخ کہتے ہیں پھر دو قسم ہے:

(i) **شیخ اتصال**: یعنی جس کے ہاتھ پر بیعت کرنے سے انسان کا سلسلہ حضور پُر نور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل ہو جائے۔ اُس کیلئے چار شرطیں ہیں:

1- شیخ کا سلسلہ بہ اتصالِ صحیح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا ہو، بیچ میں مُنقطع نہ ہو کہ مُنقطع ذریعہ سے اتصال ناممکن۔

(i) بعض لوگ بلا بیعت محض بزعمِ وراثت اپنے باپ دادا کے سجّادے پر بیٹھ جاتے ہیں۔

(ii) یا بیعت تو کی تھی مگر خلافت نہ ملی تھی، بلا اِذن مرید کرنا شروع کر دیتے ہیں۔

(iii) یا سلسلہ ہی وہ کہ قطع کر دیا گیا، اُس میں فیض نہ رکھا گیا، لوگ براہِ ہوس اُس میں اِذن و خلافت دیتے چلے آتے ہیں۔

(iv) یا سلسلہ فی نفسہٖ صحیح تھا مگر بیچ میں کوئی ایسا شخص واقع ہوا جو بوجہِ انتفائے بعض شرائط قابلِ بیعت نہ تھا۔ اس سے جو شاخ چلی وہ بیچ میں سے منقطع ہے۔

اِن صورتوں میں اِس بیعت سے ہرگز اتصال حاصل نہ ہوگا۔ بیل سے دودھ یا بانجھ سے بچہ مانگنے کی مت جُدا ہے۔

2- شیخ سنی صحیح العقیدہ ہو۔ بد مذہب گمراہ کا سلسلہ شیطان تک پہنچے گا نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک۔ آج کل بہت بد دینوں بلکہ بے دینوں حتّی کہ وہابیہ نے کہ سرے سے منکر و دشمنِ اولیاء ہیں، بدکاری کیلئے پیری مریدی کا جال پھیلا رکھا ہے۔ ہوشیار! خبردار! احتیاط! احتیاط!

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست
پس بہ ہر دستے نباید داد دست

3- عالم ہو۔

اقول: علمِ فقہ اُس کی اپنی ضرورت کے قابل، کافی اور لازم کہ عقائدِ اہلسنت سے پورا واقف، کفر و اسلام، ضلالت و ہدایت کے فرق کا خوب عارف ہو ورنہ آج بد مذہب نہیں، کل ہو جائے گا۔

فَمَنْ لَّمْ یَعْرِفِ الشَّرَّ فَیَوْماً یَقَعْ فِیْهِ

''جو شر سے آگاہ نہیں، ایک دن اُس میں پڑ جائے گا''۔

صدہا کلمات و حرکات ہیں جن سے کفر لازم آتا ہے اور جاہل براہِ جہالت اُس میں پڑ جاتے ہیں۔ اول تو خبر ہی نہیں ہوتی کہ اُن سے قول یا فعلِ کفر صادر ہوا اور بے اطلاع توبہ ناممکن تو مبتلا کے مبتلا ہی رہے اور اگر کوئی خبر دے تو ایک سلیم الطبع جاہل ڈر بھی جائے، توبہ بھی کرے مگر وہ جو سجادۂ مشیخت پر ہادی و مرشد بنے بیٹھے ہیں، ان کی عظمت جو خود اُن کے قلوب میں ہے، کب قبول کرنے دے۔ وَاِذَا قِیْلَ لَهٗ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ۔

اور اگر ایسے ہی حق پرست ہوئے اور مانا تو کتنا؟ اتنا کہ آپ توبہ کرلیں گے۔ قول و فعلِ کفر سے جو بیعت فسخ ہوگئی اب کسی کے ہاتھ پر بیعت کریں اور شجرہ اُس جدید شیخ کے نام سے دیں اگرچہ شیخ اول ہی کا خلیفہ ہو، یہ اُن کا نفس کیوں کر گوارا کرے۔ نہ اس پر راضی ہوں گے کہ آج سے سلسلہ بند کریں، مرید کرنا چھوڑ دیں۔ لاجرم، وہی سلسلہ کہ ٹوٹ چکا،

جاری رکھیں گے لہٰذا عالمِ عقائد ہونا لازم۔

4- فاسق مُعلِن نہ ہو۔

اقول: اس شرط پر حصولِ اتصال کا توقف نہیں کہ مجرد فسق باعثِ فسخ نہیں مگر پیر کی تعظیم لازم ہے اور فاسق کی توہین واجب۔ دونوں کا اجتماع باطل۔

(ii) **شیخ ایصال**: شرائطِ مذکورہ کے ساتھ مَفاسدِ نفس و مکائدِ شیطان و مَصائدِ ہَوا سے آگاہ ہو۔ دوسرے کی تربیت جانتا ہو اور اپنے متوسّل پر شفقتِ تامّہ رکھتا ہو کہ اس کے عیوب پر اُسے مطلع کرے، اُن کا علاج بتائے، جو مشکلات اس راہ میں پیش آئیں حل فرمائے۔ نہ محض سالک ہو نہ نرا مجذوب۔

عوارف شریف میں فرمایا:

''یہ دونوں قابلِ پیری نہیں''۔

اقول: اس لئے کہ اول خود ہنوز راہ میں ہے اور دوسرا طریقِ تربیت سے غافل بلکہ مجذوب سالک ہو یا سالک مجذوب اور اول اولیٰ ہے۔

اقول: اس لئے کہ وہ مراد ہے اور یہ مرید۔

پھر بیعت بھی دو قسم ہے:

(i) **بیعت برکت**: صرف تبرّک کیلئے داخلِ سلسلہ ہو جانا۔ آج کل عام بیعتیں یہی ہیں وہ بھی نیک نیتوں کی ورنہ بہتوں کی بیعت دنیاوی اَغراضِ فاسدہ کیلئے ہوتی ہے، وہ خارج از بحث ہیں۔

اس بیعت کیلئے شیخِ اتصال کہ شرائطِ اربع کا جامع ہو، بس ہے۔

اقول: بے کار یہ بھی نہیں۔ مفید اور بہت مفید اور دنیا و آخرت میں بکار آمد ہے۔ محبوبانِ خدا کے غلاموں کے دفتر میں نام لکھ جانا، اُن سے سلسلہ متصل ہو جانا فی نفسہ سعادت ہے۔

اَوّلاً: ان خاص خاص غلاموں، سالکانِ راہ سے اِس امر میں مُشابہت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

مَنْ تَشَبَّہَ بِقَوْمٍ فَھُوَ مِنْھُمْ۔

''جو جس قوم سے مشابہت پیدا کرے وہ اُنہیں میں سے ہے''۔

ثانیاً: اُن غلامانِ خاص کے ساتھ ایک سلک میں منسلک ہونا۔

بلبل ہمیں کہ قافیہ گل شود بس ست

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ان کا رب عزوجل فرماتا ہے:

هُمُ الْقَوْمُ لَا يَشْقَىٰ بِهِمْ جَلِيسُهُمْ۔

''وہ وہ لوگ ہیں کہ اُن کے پاس بیٹھنے والا بھی بد بخت نہیں رہتا''۔

ثالثاً: محبوبانِ خدا آیۂ رحمت ہیں۔ وہ اپنا نام لینے والے کو اپنا کر لیتے ہیں اور اس پر نظرِ رحمت رکھتے ہیں۔ بہجۃ الاسرار شریف میں ہے:

''سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے عرض کی گئی: اگر کوئی شخص حضور کا نام لیوا ہو اور اُس نے نہ حضور کے دست مبارک پر بیعت کی ہو نہ حضور کا خرقہ پہنا ہو کیا وہ حضور کے مریدوں میں شمار ہوگا؟

فرمایا: جو اپنے آپ کو میری طرف نسبت کرے اور اپنا نام میرے دفتر میں شامل کرے۔ اللہ اُسے قبول فرمائے گا اور اگر وہ کسی ناپسندیدہ راہ پر ہو تو اُسے توبہ دے گا اور وہ میرے مُریدوں کے زمرے میں ہے۔ الخ''۔

(ii) **بیعت ارادت**: اپنے ارادہ و اختیار سے یکسر باہر ہو کر اپنے کو شیخ مرشد، ہادیِ برحق، واصل بحق کے ہاتھوں میں بالکل سپرد کر دے۔ اُسے مطلقاً اپنا حاکم و مالک و متصرف جانے، اس کے چلانے پر راہ سلوک چلے، کوئی قدم بے اُس کی مرضی کے نہ رکھے۔ اس کیلئے اُس کے بعض احکام یا اپنی ذات میں خود اُس کے کچھ کام، اگر اس کے نزدیک صحیح نہ معلوم ہوں، اُنہیں افعالِ خضر کے مثل سمجھے۔ اپنی عقل کا قصور جانے، اس کی کسی بات پر دل میں بھی اعتراض نہ لائے، اپنی ہر مشکل اُس پر پیش کرے۔ غرض اس کے ہاتھ میں مردہ بدست زندہ ہو کر رہے۔

یہ بیعت سالکین ہے اور یہی مقصودِ مشائخ مرشدین ہے۔ یہی اللہ عزوجل تک پہنچاتی ہے۔ یہی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لی ہے جسے سیدنا عبادہ بن صامت

انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

بَا یَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَی السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِی الْعُسْرِ وَ الْیُسْرِ وَ الْمَنْشَطِ وَ المکرہ و ان لا نُنَازِعَ الْاَمرَ اَھْلَہ۔

''ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پر بیعت کی کہ ہر آسانی ودشواری، ہر خوشی و ناگواری میں حکم سنیں گے اور اطاعت کریں گے اور صاحبِ حکم کے کسی حکم میں چون و چرا نہ کریں گے''۔

جب یہ اقسام معلوم ہولئے، اب حکم مسئلہ کی طرف چلیے کہ مطلق فلاح کیلئے مرشدِ عام کی قطعاضرورت ہے۔فلاحِ تقویٰ ہو یا فلاحِ احسان، اِس مرشد سے جُدا ہوکر ہرگز نہیں مل سکتی اگرچہ مرشدِ خاص رکھتا بلکہ خود مرشدِ خاص بنتا ہو۔

اقول: پھر اس سے جدائی دو طرح ہے:

(i) صرف عمل میں جیسے کبیرہ کا مرتکب، یا صغیرہ پر مُصرّ اور اس سے بدتر ہے وہ جاہل کہ علماء کی طرف رجوع ہی نہ لائے اور اس سے بدتر وہ کہ باوصفِ جہل ذی رائے بنے، اَحکامِ علماء میں اپنی رائے کو دخل دے یا حکم کے خلاف اپنے یہاں کے باطل رواج پر اَڑے اور اُسے حدیث وفقہ سے بتادیا جائے کہ یہ رواج بے اصل ہے جب بھی اُسی کو حق کہے۔

بہر حال یہ لوگ فلاح پر نہیں اور بعض، بعض سے زائد ہلاک میں ہیں مگر صرف عمل کے سبب نہ بے پیرا ہونہ اُس کا پیر ہونہ اُس کے پیر شیطان جبکہ اولیاء علمائے دین کا سچے دل سے معتقد ہو اگرچہ شامتِ نفس نافرمانی پر لائے کہ بیعت جس طرح باعتبارِ پیرِ خاص دو قسم تھی یو ہیں باعتبارِ مرشدِ عام بھی۔ اگر اُس کے حکم پر چلتا ہے، بیعتِ ارادت رکھتا ہے ورنہ بیعتِ برکت سے خالی نہیں کہ ایمان واعتقاد تو ہے۔تو گنہگار سُنّی اگر کسی پیرِ جامعِ شرائطِ اربعہ کا مرید ہے فبہا، ورنہ بوجہِ حُسنِ اعتقاد مرشدِ عام کے مُنتسبوں میں ہے اگرچہ نافرمانی کے باعث فلاح پر نہیں۔

(ii) منکر ہوکر جدائی۔ مثلاً:

1- وہ ابلیسی مسخرے کہ علمائے دین پر ہنستے اور اُن کے احکام کو لغو سمجھتے ہیں، انہیں میں ہیں۔ وہ جھوٹے مدعیانِ فقر جو کہتے ہیں کہ عالموں فقیروں کی سدا سے ہوتی آئی ہے۔ یہاں تک کہ بعض خبیثوں، صاحب سجادہ بلکہ قطبِ وقت بننے والوں کو یہ لفظ کہتے سنے گئے کہ عالم کون ہے؟ سب پنڈت ہیں۔ عالم تو وہ ہو جو انبیائے بنی اسرائیل کے معجزے دکھائے۔

2- وہ دَہریے ملحِد فقیر و ولی بننے والے کہ کہتے ہیں: شریعت راستہ ہے، ہم تو پہنچ گئے ہیں، راستے سے کیا کام؟ ان خبیثوں کا ردّ ہمارے رسالہ مَقالِ عُرَفاء بِاَعزازِ شرع و علماء(1327ھ) میں ہے۔

3- وہ جاہل اجہل یا ضال اضل کے بے پڑھے یا چند کتابیں پڑھ کر بزعمِ خود عالم بن کر ائمہ سے بے نیاز ہو بیٹھے۔ جیسا قرآن و حدیث ابو حنیفہ و شافعی سمجھتے تھے، اپنے زعم میں یہ بھی سمجھتے ہیں بلکہ اُن سے بھی بہتر کہ انہوں نے قرآن و حدیث کے خلاف حکم دیے۔ یہ ان کی غلطیاں نکال رہے ہیں۔ یہ گمراہ بددین غیر مقلدین ہوئے۔

4- اس سے بدتر وہابیت کی اصل علت کہ تقویت الایمان پر سر منڈا بیٹھے۔ اُس کے مقابل قرآن و حدیث پس پشت پھینک دیے۔ اللہ و رسول جل وعلا و صلی اللہ علیہ وسلم تک اس ناپاک کتاب کے طور پر معاذ اللہ مشرک ٹھہریں اور یہ اللہ و رسول کو پیٹھ دے کر اسی کے مسائل پر ایمان لائیں۔

5- اُن سے بدتر ان میں کے دیوبندی کہ انہوں نے گنگوہی و نانوتوی و تھانوی اپنے احبار و رُہبان کے کفر اسلام بنانے کیلئے اللہ و رسول کو سخت سے سخت گالیاں قبول کیں۔

6- قادیانی

7- نیچری

8- چکڑالوی

9- خوارج

10- نواصب

11- معتزلہ وغیرہم۔

بالجملہ جملہ مرتدین یا ضالین معاندین دین کہ سب مرشدِ عام کے مخالف ومنکر ہیں یہ اشد ہالک ہیں اوران سب کا پیر یقیناً شیطان۔ اگرچہ بظاہر کسی کی بیعت کا نام لیں بلکہ خود پیر وولی وقطب بنیں۔

فلاح تقویٰ:

اقول: اس کیلئے مرشد خاص کی ضرورت بایں معنی نہیں کہ بے اُس کے یہ فلاح مل ہی نہ سکے جیسا کہ اوپر گزرا۔ فلاح ظاہر ہے، اس کے احکام واضح ہیں۔ آدمی اپنے علم سے یا علماء سے پوچھ پوچھ کر متقی بن سکتا ہے۔ اعمالِ قلب میں اگرچہ بعض دقائق ہیں مگر محدود اور کتبِ ائمہ مثل امام ابو طالب مکی و امام حجۃ الاسلام غزالی وغیرہما رحمہما اللہ میں مشروح تو بے بیعتِ خاص بھی اس کی راہ کشادہ، اس کا دروازہ مفتوح۔

یہ جب کہ اسی قدر پر اقتصار کرے تو ہم اوپر بیان کر آئے کہ غیرِ متقی سُنی بھی بے پیرا نہیں۔ متقی کیوں کر بے پیرا یا معاذ اللہ مرید شیطان ہوسکتا ہے اگرچہ کسی خاص کے ہاتھ پر بیعت نہ کی ہو کہ یہ جس راہ میں ہے اُس میں مرشدِ عام کے سوا مرشدِ خاص کی ضرورت ہی نہیں۔ تو جتنا پیر اُسے درکار ہے، حاصل ہے۔

تو اولیاء کا قولِ دوم کہ ''جس کیلئے شیخ نہیں، اُس کا شیخ شیطان ہے''۔ اس سے متعلق نہیں ہوسکتا اور قول اول کہ ''بے پیرا فلاح نہیں پاتا''۔ تو بداہتہً اُس پر صادق نہیں، فلاحِ تقویٰ بلاشبہ فلاح ہے۔ اگرچہ فلاحِ احسان اس سے اعظم واجل ہے۔

اللہ عزوجل فرماتا ہے:

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبٰٓئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا۝

''اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچے تو ہم تمہاری بُرائیاں مٹا دیں گے اور تمہیں عزت والے مکان میں داخل فرمائیں گے''۔ (نساء: 31)

یہ بلاشبہ فوزِ عظیم ہے۔

اقول: بات یہ ہے کہ تقویٰ عموماً ہر مسلمان پر فرض عین ہے اور وہ اس فلاح یعنی عذاب سے رستگاری کیلئے بفضلِ الٰہی حسبِ وعدۂ صادقہ کافی و روافی۔ احسان یعنی سلوکِ راہِ ولایت اعلیٰ درجے کا مطلوب و محبوب ہے مگر اُس کی طرح فرض نہیں ورنہ اولیاء کے سوا کہ ہر دورہ میں صرف ایک لاکھ چوبیس ہزار ہوتے ہیں۔ باقی کروڑ ہا کروڑ مسلمان، ہزار ہا علماء وصلحاء سب معاذ اللہ تارکِ فرض وفساق ہوں۔ اولیاء نے بھی کبھی اس راہ کی عام دعوت نہ دی۔ کروڑوں میں سے معدودے چند کو اس پر چلایا اور اس کے طالبوں میں سے بھی جسے اس بار کے قابل نہ پایا، واپس فرمایا۔ فرض سے واپس کرنا کیوں کر ممکن تھا۔

عوارف شریف میں ہے:

''خرقۂ تبرک ہر ایک کو دیا جاسکتا ہے اور خرقۂ ارادت اسی کو دیا جائے گا جو اس کا اہل ہو۔ نااہل سے اس راہ کے شرائط کا مطالبہ نہ کریں گے۔ صرف اتنا کہیں گے کہ شریعت کا پابند رہ اور اولیاء کی صحبت اختیار کر کہ شاید اس کی برکت اُسے خرقۂ ارادت کا اہل کردے''۔

تو ظاہر ہوا کہ اس کا ترک نافیِ فلاح نہیں نہ کہ معاذ اللہ مرید شیطان کرے۔ اکابر علماء وائمہ میں ہزار ہا وہ گزرے جن سے یہ بیعتِ خاصہ ثابت نہیں یا کی تو آخر عمر میں بعد حصول مرتبۂ امامت اور وہ بھی بیعتِ برکت جیسے امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے سیدی مدین رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ مبارک پر۔

اقول: ہاں! جو اُس کا ترک بوجہِ انکار کرے، اسے باطل ولغو جانے، وہ ضرور گمراہ و بے فلاح و مرید شیطان ہے جبکہ انکار مطلق ہو اور اگر اپنے عصر و مصر میں کسی کو بیعت کیلئے کافی نہ جانے تو اُس کا حکم اختلافِ منشا سے مختلف ہوگا۔ اگر یہ اپنے تکبر کے باعث ہے تو اَلَیْسَ فِیْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِیْنَ۔ ''کیا جہنم میں متکبروں کا ٹھکانا نہیں''۔ اور اگر بلا وجہ شرعی بدگمانی کے باعث سب کو نااہل جانے تو یہ بھی کبیرہ ہے اور مرتکب کبیرہ مفلح نہیں اور اگر ان میں وہ باتیں ہیں کہ اشتباہ میں ڈالتی ہیں اور یہ بہ نظرِ احتیاط بچتا ہے تو الزام نہیں۔ اِنَّ مِنَ الْحَزْمِ سُوْءَ الظَّنِّ۔ دَعْ مَا یَرِیْبُكَ اِلٰی مَالَا یَرِیْبُكَ۔

فلاحِ احسان کیلئے بے شک مرشدِ خاص کی حاجت ہے اور وہ بھی شیخِ ایصال کی۔ شیخِ اتصال اس کیلئے کافی نہیں اور اس کے ہاتھ پر بھی بیعتِ ارادت ہو، بیعتِ برکت یہاں بس نہیں۔

اس راہ میں وہ شدید باریکیاں، وہ سخت تاریکیاں ہیں کہ جب تک کامل مکمل اس راہ کے جملہ نشیب وفراز سے آگاہ و ماہر حل نہ کرے، حل نہ ہوں گی نہ کتبِ سلوک کا مطالعہ کام دے گا بلکہ یہ دقائق تقویٰ کی طرح محدود و معدود نہیں جن کا ضبط کتاب کر سکے اور وہ پرانا دشمن مکار پرفن ابلیس لعین ہر وقت ساتھ ہے۔ اگر بتانے والا، آنکھیں کھولنے والا، ہاتھ پکڑنے والا، مدد فرمانے والا ساتھ نہ ہو تو خدا جانے کس کھوہ میں گرائے، کس گھاٹی میں ہلاک کرے۔ ممکن کہ سلوک درکنار معاذ اللہ ایمان تک ہاتھ سے جائے۔

مرشدِ عام میں سب کچھ ہے۔

مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ

''ہم نے کتاب میں کوئی چیز اٹھا نہ رکھی''۔

مگر احکامِ ظاہر عام لوگ نہیں سمجھ سکتے جس کے سبب عوام کو علماء، علماء کو ائمہ، ائمہ کو رسول کی طرف رجوع فرض ہوئی کہ فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ٥ ''ذکر والوں سے پوچھو اگر تم نہیں جانتے''۔

یہی حکم یہاں بھی ہے اور یہاں اَهْلُ الذِّكر وہ مرشدِ خاص بہ اوصافِ مذکورہ ہے۔ تو جو اس راہ میں قدم رکھے اور کسی کو پیر نہ بنائے یا کسی مبتدع، کسی جاہل کا مرید ہو جو پیرِ اتصال بھی نہیں۔ ایسے کا مرید ہو جو صرف پیرِ اتصال ہے، قابلِ ایصال نہیں اور اُس کے بھروسے پر یہ راہ طے کرنا چاہے یا شیخِ ایصال ہی کا مرید ہو مگر خود رائی برتے، اُس کے احکام پر نہ چلے۔ تو یہ شخص اس فلاح کو نہ پہنچے گا اور اس راہ میں ضرور اُس کا پیر شیطان ہوگا جس سے دور نہیں کہ اسے اصل فلاح بلکہ نفسِ ایمان سے دور کردے۔ وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔

اقول: بلکہ اس کا نہ ہونا ہی تعجب ہے۔ یہ نہ سمجھو کہ غلطی پڑے گی تو اسی قدر کہ اِس راہ میں

بھکے گا، یہ فرض نہ تھی کہ اس کے نہ پانے سے اصل فلاح نہ رہے۔ نہیں نہیں! عدوِ لعین تو دشمنِ ایمان ہے، وقت و موقع کا منتظر ہے۔ وہ کرشمے دکھاتا ہے جن سے عقائدِ ایمانی پر حرف آتا ہے۔ آدمی ایک بات سُنے ہوئے ہے اور اب آنکھوں سے اُس کے خلاف دیکھے تو کس قدر مشکل ہے کہ اپنے مشاہدے کو غلط جانے اور اُسی اعتقاد پر جمارہے حالانکہ لَیْسَ الْخَبَرُ کَالْمُعَایَنَۃِ "شنیدہ کے بُود مانندِ دیدہ"۔ پیرِ کامل چاہیے کہ ان شُبہات کا کشف کرے۔

تم اقول: غالب یہی ہے کہ بے پیر اس راہ کا چلنے والا ان آفتوں میں گرفتار ہو جاتا ہے اور گرگِ شیطان اُسے بے راعی کی بھیڑ پا کر نوالہ کر لیتا ہے اگر چہ ممکن کہ لاکھوں میں ایک ایسا ہو جسے جذبِ ربانی کفایت و کفالت کرے اور بے توسطِ پیر اُسے مکایدِ نفس و شیطان سے بچا کر نکال لے جائے، اُس کیلئے مرشدِ عام مرشدِ خاص کا کام دے گا۔ خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس کے مرشدِ خاص ہوں گے کہ بے توسطِ نبی کوئی وُصول ممکن نہیں مگر یہ ہے تو نہایت نادر ہے اور نادر کیلئے حکم نہیں ہوتا۔

تم اقول: بے مرشدِ خاص اس راہ میں قدم رکھنے والوں میں بڑا خوش نصیب وہ ہے کہ ریاضتیں، چلّے، مجاہدے کرے اور اُس پر اصلاً فتح یاب نہ ہو، راہ ہی نہ کھلے جس کی دشواریاں پیش آئیں۔ یہ اپنی فلاحِ تقویٰ پر قائم رہے گا دو شرط سے۔ ایک یہ کہ اس کا مجاہدہ اُسے عُجب نہ دلائے، اپنے آپ کو اوروں سے اچھا نہ سمجھنے لگے، ورنہ فلاحِ تقویٰ سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے گا۔ دوسرے یہ کہ عظیم محنتوں کے بعد محرومی کی تنگ دلی اُسے کسی عظیم امر میں نہ ڈال دے کہ اللہ کو کوئی کلمہ سخت کہہ بیٹھے یا دل سے منکر ہو جائے کہ اس وقت فلاح درکنار اُس کا پیر شیطان ہو جائے گا۔ اور اگر اپنی تقصیر سمجھا اور تذلّل و انکسار پر قائم رہا تو اس حکم سے مُستثنیٰ رہے گا یوں کہ جب راہ نہ کھلی تو راہ چلا ہی نہیں اور اُس کے مثل ہوا جو فلاحِ تقویٰ پر مقتصر رہا۔

اقول: قرآن کریم کے لطائف نامتناہی ہیں۔ اس بیان سے آیۂ کریمہ:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْۤا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَ جَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ

کے مبارک جملوں کا حسنِ ترتیب واضح ہوا۔ یہ فلاحِ احسان کی طرف دعوت ہے۔ اُس کیلئے

تقویٰ شرط ہے تو اولاً اُس کا حکم فرمایا کہ اِتَّقُو اللّٰہ اب کہ تقویٰ پر قائم ہو کر راہِ احسان میں قدم رکھنا چاہتا ہے اور یہ عادۃً بے وسیلۂ شیخ ناممکن ہے لہٰذا دوسرے مرتبہ میں قبلِ سلوک تلاشِ پیر کو مقدم فرمایا کہ وَابتغُوْا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ اس لئے کہ اَلرَّفِیْقُ ثُمَّ الطَّرِیْقُ اب کہ سامان مہیا ہو لیا، اصل مقصود کا حکم دیا کہ وَجَاھِدُوْا فِیْ سَبِیْلِہٖ ''اُس کی راہ میں مجاہدہ کرو''۔ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْن ''تاکہ فلاحِ احسان پاؤ''۔

ثم اقول: یہاں سے ظاہر ہوا کہ اس راہ میں فلاح وسیلہ پر موقوف کہ اسے اُس پر مرتب فرمایا تو ثابت ہوا کہ ''یہاں بے پیر افلاح نہ پائے گا'' اور جب فلاح نہ پائے گا، خاسر ہوگا۔ تو حِزْبُ اللّٰہ سے نہ ہوا، حِزْبُ الشیطان سے ہوگا کہ رب عزوجل فرماتا ہے:

اَلَآ اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَo (مجادلہ:19)

''سنتا ہے! شیطان ہی کا گروہ خاسر ہے''۔

اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰہِ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَo (مجادلہ:22)

''سنتا ہے! اللہ ہی کا گروہ فلاح والا ہے''۔

تو دوسرا جملہ بھی ثابت ہوا کہ ''بے پیرے کا پیر شیطان ہے'' جس کا بیان ابھی گزرا۔

نَسْأَلُ اللّٰہَ الْعَفْوَ وَالْعَافِیَۃَ (السنیۃ الانیقہ فی فتاوٰی افریقہ سوال نمبر 83، 84)

یہ چند نمونے ہیں اُس عالم ربانی کی تعلیماتِ تصوّف کے۔ مزید رشحاتِ قلم جمع کئے جائیں تو مقالہ بہت طویل ہو جائے گا لیکن جو کچھ پیش ہوا، دیدۂ انصاف کیلئے کافی ہے۔ معارف کا ایک سمندر ہے جو امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ عنہ کے قلم سے رواں ہوتا چلا جا رہا ہے۔ یہ حضرات ''اقول'' اس وقت لکھتے ہیں جب اپنی تحقیق اور اپنی بات بیان کرنی ہوتی ہے جو اگلے حضرات کے قلم سے تحریر نہ ہوئی۔ علم تصوّف میں بھی امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کی اپنی تحقیقات آپ نے گزشتہ اوراق میں ملاحظہ فرمائیں۔ یہ ان کا وہ وصفِ خاص ہے جو اکابر صوفیہ کی صفوں میں بھی انہیں نمایاں مقام عطا کرتا ہے۔ اسی طرح علم جفر میں ان کے چند رسائل جو مرکزی مجلس رضا لاہور نے اصل مخطوطات کا عکس لے کر شائع کئے ہیں، ان میں بھی امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کی ذاتی تحقیقات کافی مقدار میں ہیں۔ علم جفر خاص علومِ اولیاء

میں سے ہے اور خاص فضلِ ربانی جس کی دستگیری کرے وہی اس سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ ورنہ محنتیں کرتا رہے، کچھ حل نہیں ہوتا۔ اب جس نے نہ صرف یہ کہ اُسے حل کیا ہو بلکہ کثیر خود ساختہ مصنفینِ جفر کی غلطیاں ثابت کی ہوں اور بیشمار اپنی تحقیقات رقم کی ہوں اُس کا پایہ کتنا بلند ہوگا؟ اور وہ اس فن کا کیسا جلیل القدر امام ہوگا؟ اہلِ علم اچھی طرح اس کا اندازہ کر سکتے ہیں بشرطیکہ سینہ قبولِ حق کیلئے آمادہ اور عناد و تعصب سے خالی ہو۔

اکابر کی شہادت:

کسی بھی شخصیت کو اس کے معاصر زیادہ پہچان سکتے ہیں اور ان لوگوں کا بیان زیادہ معتبر ہوگا جو علم و فن میں خود بلند رتبہ ہوں اور جنہیں اُس شخصیت سے ملاقات اور اُسے جانچنے، پرکھنے کا موقع ملا ہو۔

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے سفرِ حج میں اکابر علمائے حرمین سے ملاقاتیں کیں، اُن کے ساتھ علمی مجلسیں بھی رہتیں، انہوں نے امام ممدوح کی باتیں بھی سنیں، زبانی بحثیں بھی دیکھیں، رشحاتِ قلم بھی ملاحظہ فرمائے۔ کردار و عمل، افکار و خیالات کا بھی جائزہ لیا۔ ان سب کے بعد امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی مدح میں انہوں نے جو ارشادات تحریر کئے، انصاف کی آنکھیں روشن کرنے کیلئے کافی ہیں۔

وہ حضرات ایسے غبی اور کم علم نہ تھے جو ایک ہندی کے علم و فضل سے بلاوجہ متاثر ہو جائیں اور معرفت و حقیقت میں اس کے پایۂ بلند کا تحریری اعتراف کرنے لگیں، ان کا قلم ایسا بے احتیاط اور بے لگام نہ تھا کہ تحقیق و تفتیش کے بغیر ایک شخص کیلئے مدائح کا دفتر تیار کر دے۔ حرم کی سرزمین پر تو دنیا بھر کے علماء و مشائخ پہنچتے رہتے تھے لیکن وہ اکابر کس سے متاثر ہوئے اور کس کے علم و فضل کا خطبہ پڑھتے؟ اس سلسلے میں ایک بیان پر اکتفا کرتا ہوں۔

مدینہ منورہ میں علمائے کرام نے امام احمد رضا فاضلِ بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا جو اعزاز و اکرام کیا اس کا ذکر کرتے ہوئے شیخ کریم اللہ مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

انی مقیم بالمدینة الامینة منذ سنین و یاتیها من الهند الوف من العالمین فیهم علماء و صلحاء و اتقیاء رأیتهم یدورون فی سکك البلد، لا یلتفت الیهم

من اهله احد واری العلماء والكبار العظماء اليك مهر عين وبا جلالك مسرعين۔ ذلك فضل الله يوتيه من يشاء و الله ذوالفضل العظيم۔

(الاجازت المتینہ لعلماء مکۃ و مدینہ صفحہ 7)

''میں سالہا سال سے مدینہ منورہ میں قیام پذیر ہوں، ہندوستان سے ہزاراہ ہزار انسان آتے ہیں جن میں علماء، صلحاء، اتقیاء سبھی ہوتے ہیں لیکن میری آنکھوں نے یہی دیکھا کہ وہ شہر مبارک کی گلیوں میں پھرتے رہتے ہیں اور کوئی توجہ دینے والا نہیں ہوتا لیکن آپ کے اعزاز کا یہ حال ہے کہ عوام تو عوام بڑے بڑے علماء اور ارباب علم وفن، اصحابِ عزت و عظمت آپ کی طرف چلے آرہے ہیں اور آپ کے اکرام و تعظیم میں سبقت کرتے ہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرمائے اور اللہ بڑے فضل والا ہے''۔

ان اکابر علماء نے امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے علمِ ظاہر ہی نہیں بلکہ علمِ باطن اور عرفان و تصوف کی بھی شہادتیں دی ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد صاحب مُدَّظِلُّہُ الْعَالِیْ نے ان شہادتوں پر مشتمل مستقل کتاب تحریر کی ہے۔ اس کے مطالعہ سے بھی یہ معلوم ہو جائے گا کہ اکابرِ حرمین نے اِمام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے علمِ معرفت اور مقامِ طریقت کی بلندی کا بھی بَرملا اعتراف کیا ہے۔ ملاحظہ ہو: ''فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں''۔

مزید تحقیق کیلئے وہ کتابیں بھی دیکھی جائیں جن سے اِن شہادتوں کو جمع کیا گیا ہے۔

میں پھر کہوں گا کہ یہ اعزاز واعتراف اُن اکابر علماء اور جلیل الشان اولیاء کا ہے جن کا ظاہر و باطن شریعت وطریقت کے میزان پر تُلا ہوا تھا اور جن کی ولایت و بزرگی میں نہ کل کسی کو کلام تھا اور نہ آج ہوسکتا ہے۔ اسی لئے کہا گیا:

عرب میں جا کے اِن آنکھوں نے دیکھا جس کی صورت کو
عجم کے واسطے لا ریب وہ قبلہ نما تم ہو
حرم والوں نے مانا تم کو اپنا قبلہ و کعبہ
جو قبلہ اہلِ قبلہ کا ہے وہ قبلہ نما تم ہو

اور سچ تو یہ ہے کہ ولی را ولی می شناسد اور عالم را عالم می داند۔

آنکھ والا ترے جلووں کا تماشا دیکھے
دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے



کتابیات

تصانیفِ اعلیٰ حضرت اِمام اَحمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ

1- فتاوٰی رضویہ (جلد دوم) مطبوعہ سمنانی کتب خانہ، میرٹھ
2- فتاوٰی رضویہ (جلد سوم، چہارم، ششم) مطبوعہ سُنّی دارُ الاشاعت، مُبارکپور
3- فتاوٰی رضویہ (جلد یازدہم) مطبوعہ بریلی
4- الامن والعلیٰ لناعتی المصطفیٰ بدافع البلاء مطبوعہ بریلی و لاہور
5- الاجازات المتینہ لعلماء بکۃ و مدینۃ
6- ازھار الانوار من صبا صلوٰۃ الاسرار
7- اجب الامداد فی مکفرات حقوق العباد
8- اقامۃ القیامۃ علیٰ طاعن القیام لنبی تہامۃ مطبوعہ بریلی
9- انہار الانوار من یم صلوٰۃ الاسرار
10- بدر الانوار فی آداب الآثار
11- تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین
12- حاجز البحرین الواقی عن جمع الصلوٰتین
13- حدائقِ بخشش مطبوعہ رامپور
14- خالص الاعتقاد مطبوعہ مکتبۂ مشرق، بریلی
15- خلاصہ فوائد فتاوٰی مطبوعہ بریلی
16- الدولۃ المکیۃ بالمادۃ الغیبیۃ مطبوعہ بریلی
17- الزبدۃ الزکیۃ فی تحریم سجود التحیۃ مطبوعہ سمنانی کتب خانہ، میرٹھ
18- الزمزمۃ القمریۃ فی الذب عن الخمریہ مطبوعہ نوری کتب خانہ، لاہور

19- السنیۃ الانیقہ فی فتاوٰی افریقہ
20- شفاء الوالہ فی صور الحبیب ومزارہ ونعالہ
21- صلات الصفا فی نور المصطفیٰ مطبوعہ کراچی
22- فقہ شہنشاہ وان القلوب بید المحبوب بعطاء اللہ
23- الفیوضات الملکیۃ لمحب الدولۃ المکیۃ
24- کشف حقائق واسرار ودقائق مطبوعہ الٰہ آباد
25- الکشف شافیا حکم فونو جرافیا مطبوعہ کانپور
26- اللؤلؤ المکنون فی علم البشیر ماکان وما یکون
27- مزارات پر عورتوں کی حاضری (جمل النور فی نہی النساء عن زیارۃ القبور) مجلس اشاعت طلبہ فیض العلوم محمد آباد گوہنہ، اعظم گڑھ
28- المعتمد المستند بناء نجاۃ الابد مطبوعہ استانبول
29- مقال عرفاء باعزاز شرع وعلماء مطبوعہ سمنانی کتب خانہ، میرٹھ
30- منیر العین فی حکم تقبیل الابہامین
31- نقاء السلافۃ فی احکام البیعۃ والخلافۃ
32- النیرۃ الوضیۃ شرح الجوہرۃ المضیۃ مطبوعہ مکتبہ قادریہ، لاہور
33- الیاقوتۃ الواسطۃ فی قلب عقد الرابطۃ

تصانیفِ دیگر علماء

34- احیاء علوم الدین از امام محمد بن محمد غزالی
35- ارکانِ شریعت از میاں ابو الحسن علی ندوی
36- اشعۃ اللمعات از شیخ عبد الحق محدث دہلوی مطبوعہ نولکشور، لکھنؤ
37- اکرام امام احمد رضا از مفتی برہان الحق جبلپوری، مرتبہ: پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد
38- امام احمد رضا نمبر، ماہنامہ پاسبان، الٰہ آباد

39- امام احمد رضا نمبر، ماہنامہ تجلیات، ناگپور
40- بہجۃ الاسرار از امام ابوالحسن علی شطنوفی مطبوعہ مصطفیٰ البابی، مصر
41- ترجمان اہلسنّت پیلی بھیت (شمارہ پنجم تا دہم) مولانا حشمت علی لکھنوی
42- التعلیق المجلی شرح منیۃ المصلی از مولانا وصی احمد محدث سورتی
43- تنویر الحلک فی امکان رویۃ النبی والملک از امام جلال الدین سیوطی مطبوعہ استنبول، ترکی
44- جہانِ رضا مرتبہ مرید احمد چشتی مطبوعہ لاہور
45- حیاتِ اعلیٰ حضرت از ملک العلماء مولانا ظفر الدین قادری بہاری
46- حاشیۂ قاضی مبارک از علامہ فضل حق خیر آبادی
47- الرضا بریلی ماہنامہ 1338ھ مدیر: مولانا حسنین رضا خان بریلوی
48- الروض المجود فی تحقیق وحدۃ الوجود از علامہ فضل حق خیر آبادی
49- رسالہ قشیریہ از امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ھوازن قُشیری مطبوعہ مصطفیٰ البابی، مصر
50- سوانح اعلیٰ حضرت از مولانا بدر الدین احمد قادری
51- صفۃ الصفوۃ از عبدالرحمٰن ابن الجوزی مطبوعہ دائرۃ المعارف، حیدر آباد
52- طبقات الشافعیۃ الکبریٰ از امام عبدالوہاب شعرانی مطبوعہ مصطفیٰ البابی، مصر
53- عوارف المعارف از شیخ شہاب الدین سہروردی
54- فاضل بریلوی علمائے حجاز کی نظر میں از پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد مطبوعہ ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور
55- فتوحات مکیہ از شیخ اکبر محی الدین ابن العربی مطبوعہ داراحیاء التراث العربی، بیروت
56- فتوح الغیب از سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی
57- کراماتِ اعلیٰ حضرت از صوفی اقبال احمد نوری
58- کشکولِ فقیر قادری مرتبہ مولانا حسنین رضا خان بریلوی
59- مدارج النبوۃ از شیخ عبدالحق محدث دہلوی
60- المعتقد المنتقد از علامہ فضل رسول بدایونی

61- الملفوظ مرتبہ مفتیِ اعظم ہند مولانا مصطفیٰ رضا خان بریلوی مطبوعہ سمنانی کتب خانہ، میرٹھ
62- میزان الشریعۃ الکبریٰ از امام عبدالوہاب شعرانی مطبوعہ مصطفیٰ البابی، مصر
63- وصایا شریف مرتبہ مولانا حسنین رضا خان بریلوی مطبوعہ المجمع الاسلامی، مبارکپور
64- الیواقیت والجواہر فی بیان عقائد الاکابر از امام عبدالوہاب شعرانی



اِمامِ اَحمد رَضا رحمۃ اللہ علیہ اَور تعلیماتِ تصوُّف [1]

پروفیسر سید اعجاز احمد مَدَنی
بُرہانی کالج، بمبئی

حضرت امام احمد رَضا رحمۃ اللہ علیہ کی جتنی بھی سوانح عمریاں اب تک لکھی گئی ہیں، ان تمام میں حضرت کا عالمانہ وقار پورے آب و تاب کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ ایسے لگتا ہے جیسے عہدِ جدید کا علامہ سیوطی شریعتِ مطہرہ کے تمام رموز و نکات کو نہ صرف اپنی فہم و بصیرت سے بیان کر رہا ہے بلکہ مجتہدانہ طور پر مشکل مسائل کو حل بھی کر رہا ہے اور پھر بھی بات خلافِ قرآن و سنت ثابت نہیں ہوتی۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ ۱۰ شوال بروز ہفتہ ۱۲۷۲ھ/ ۱۸۵۶ء کو پیدا ہوئے۔ ان کے والد مولوی نقی علی خاں رحمۃ اللہ علیہ بھی بڑے عالم اور بزرگ شخص تھے۔ نوجوانی کی عمر میں ۱۲۹۴ھ/ ۱۸۷۷ء کو یا ۲۱ سال کی عمر میں دونوں باپ بیٹے بیک وقت ''شاہ آل رسول مارہروی رحمۃ اللہ علیہ'' سے بیعت ہوئے اور تمام سلسلوں کی اجازت و خلافت اور سندِ حدیث حاصل کی۔

مولوی رحمان علی مؤلفِ ''تذکرہ علمائے ہند'' رقمطراز ہیں:

> ''اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنے والدِ ماجد کے ساتھ (۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء) حرمین شریفین کی زیارت کو تشریف لے گئے تھے۔ وہاں کے اکابر علماء یعنی سید احمد دحلان مفتیِ شافعیہ اور عبدالرحمان سراج مفتیِ حنفیہ سے حدیث، فقہ، اصولِ تفسیر اور دوسرے علوم کی سند حاصل کی۔ ایک دن نمازِ مغرب مقام ابراہیم

۱- حضرت علامہ مولانا محمد احمد مصباحی بھیروی مُدَّظِلُّهُمُ العَالِی کے اس مقالے کا محرکِ خاص پروفیسر سید اعجاز احمد مدنی صاحب دَامَتْ بَرَکَاتُهُمُ العَالِیَةُ (برہانی کالج بمبئی) کا یہ مضمون تھا لہٰذا افادۂ عام کیلئے اسے بھی شاملِ کتاب کرلیا گیا ہے۔ مضمون ھٰذا کتاب انوارِ رضا (مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور) سے لیا گیا ہے۔

میں ادا کی۔ نماز کے بعد امام شافعیہ حسین بن صالح جمل اللیل بغیر کسی سابقہ تعارف کے ان کا ہاتھ پکڑ کر ان کو اپنے گھر لے گئے۔ دیر تک ان کی پیشانی کو تھامے رہے اور فرمایا:

انی لاجد نور اللّٰہ من ھٰذ الجبین۔

''بیشک میں اس پیشانی سے اللہ کا نور پاتا ہوں''۔

اس کے بعد صحاح ستہ کی سند اور سلسلۂ قادری کی اجازت اپنے دستخطِ خاص سے مرحمت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ تمہارا نام ضیاء الدین احمد ہے۔ سندِ مذکور میں امام بخاری علیہ الرحمۃ تک گیارہ واسطے ہیں۔

مکہ معظمہ میں جب کہ آپ مسجد خیف میں تنہا و یکتا رات کے وقت ٹھہر گئے تھے اور رات کا بڑا حصہ عبادت و ریاضت میں صرف کیا تھا۔ اسی رات آپ کو مغفرت کی بشارت ہوئی۔

اللہ ان کے درجات بلند کرے اور ان کے وسیلے سے ہم گنہگاروں کی بھی اللہ اپنے پیارے حبیب کے صدقہ میں مغفرت فرمائے۔ آمین ثم آمین''۔

ان دو واقعات کو جو حرمین شریفین میں پیش آئے، بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ثابت ہوا اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ بچپن ہی سے مادرزاد ولی تھے۔ اس لیے تعلیم و تعلم میں، علمِ فقہ و فتویٰ نویسی میں، علم تصوف اور سلوک و مجاہدہ میں، مناظرہ و مکاشفہ میں، دلائل و گفتگو میں، تقریر و تحریر میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے۔

امام احمد رضا علیہ الرحمۃ ان گنے چنے علماء و فضلاء میں تھے جن پر پروردگارِ عالم جل جلالہ نے اپنے رسولِ محترم و مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں آپ پر اپنی عنایات و مہربانی، عزت و منفعت تمام کی تھی۔ جیتے جی آپ کی بڑی عزت ہوئی اور بعد پردہ فرمانے کے بھی آپ کا روضۂ پُرانوار مرجعِ خلائق و بخششِ حدائق بنا ہوا ہے۔ مزارِ اقدس پر بھی وہ رعبِ علمی و جلالِ خسروی ہے کہ کلیجہ کانپنے لگتا ہے مگر افسوس ہے سوانح نگاروں پر جنہوں نے اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ کی صوفیانہ زندگی، عشقِ رسول و سوزِ جگر، حزن و ملال اور کیفیت قلبی، سرورِ باطنی،

احتیاطِ ظاہری کا کہیں پر ذکر تک نہ کیا جہاں علماء کا اجتماع، فتویٰ کی بھرمار، علمی موشگافیاں، خواہ مخواہ کی لن ترانیاں، عشوہ طرازیاں اور وہ بات ہی نہیں جس کو دیکھنے کو آنکھیں ترستی ہیں۔

مولانائے محترم کی زندگی کا سب سے زیادہ آبدار پہلو عاشقِ رسول ہونا ہے اور ایک ظاہردارنظر میں عالم ہونا اور اپنے ہمعصروں سے معاصرانہ چشمک کرکے داد حاصل کرنا تھا۔

میرے خیال میں مولانا کے جتنے بھی عقیدت مند آج تک پیدا ہوئے، سب کے سب مدارس کے فارغ علمائے دین تھے۔ ان میں کوئی عقیدت مند مجذوب، کوئی عاشقِ سرگرداں و پریشان نہیں تھا۔

ایسا صاحبِ جلال و جمال آقا و مولا نظام الدین نہیں تھا جو اپنے پیر و مرشد کی اندرونی کیفیات، انہماک عبادت، خلوص، تقویٰ و طہارت اور بے چینی و دردِ فرقت کی کیفیات کو پیش کرسکتا۔ جیسا کہ ایک مرتبہ اہلِ مجلس سے مخاطب ہوکر کہا تھا (مفہوم یہ ہے) کہ حضرت خواجہ فرید الدین رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا اصل جوہر اور معاصرین میں ان کا امتیاز وجہ ذوق وشوق، دردِ عشق اور جذبِ الٰہی و خدامستی میں مستور رہا ہے۔ فرماتے ہیں:

"ایک بار حضرت شیخ کبیر رحمۃ اللہ علیہ حجرہ میں والہانہ گشت لگاتے تھے اور چہرے کا رنگ متغیر تھا۔ بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ بیتاب ہوکر کہنے لگے: میری آرزو ہے کہ ہمیشہ آپ کا ہوکر جیوں، خاک ہوجاؤں اور آپ کے قدموں کے نیچے زندگی گذرے۔ مجھ مسکین و بیچارے کا دونوں جہاں میں مقصود آپ ہی ہیں۔ آپ ہی کیلئے جیتا ہوں، آپ ہی کیلئے مرتا ہوں۔

؎ خواہم کہ ہمیشہ در وفائے تو زیم
خاک شوم و بزیر پائے تو زیم
مقصود من خستہ زکونین توئی
از بہر تو میرم از برائے تو زیم"

یہ شعر پڑھ کر سجدے میں سر رکھ دیتے تھے پھر یہی شعر پڑھتے اور حجرے کا چکر لگاتے۔ دیر تک یہی کیفیت رہی۔

اسی طرح سیرت فخر العارفین شریف جسے حضرت قبلہ و کعبہ مولانا و مولوی حکیم سید سکندر شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جن کا مزار اقدس کانپور میں ہے، نے اپنے پیر و مرشد حضرت قبلہ و کعبہ مولانا و مولوی عبدالحی شاہ صاحب رضی اللہ عنہ جن کا مزارِ اقدس چاٹگام شریف میں ہے، ان کی حیات مبارکہ اور ملفوظاتِ عالیہ کی روشنی میں ایک ایسی سوانح عمری مرتب کی ہے جو خود اپنی مثال آپ ہے۔

چنانچہ ان دو واقعات کی روشنی میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح نگاروں کو چاہیے کہ پیش کردہ حسب بالا طریقہ پر امام صاحب رضی اللہ عنہ کی حیات پاک قلمبند کریں۔

اس کتاب کے تین حصے ہیں۔ پوری کتاب علم و حکمت، عرفان و بصیرت اور تصوف کے بیش بہا خزانے سے مالا مال ہے۔

حضرت قبلہ عبدالحی شاہ صاحب فرماتے ہیں:

''تصوف کا راستہ تواضع، عاجزی اور فروتنی کا ہے، تعظیم طلب اور مجلس پسند لوگوں کا نہیں''۔

گستاخی معاف ہو! میں نے کسی کی دل شکنی نہیں کی۔ کیچڑ نہیں اچھالا۔ عرض صرف یہ کیا ہے کہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی شایانِ شان صوفیانہ زندگی کی عکاسی ابھی تک نہیں کی گئی۔ جو کچھ سیرت کی کتابوں میں ملتا ہے، وہ سب علمی اکھاڑے کی باتیں ہیں۔ ان کتابوں میں کہیں بھی سلوک کی پگڈنڈی نظر نہیں آتی جو انتشار پسند ذہنوں کو تقویت پہنچا سکے۔ چاہے وہ ملک العلماء ظفر الدین بہاری رحمۃ اللہ علیہ کی حیات اعلیٰ حضرت ہو یا مولانا بدرالدین احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی سوانحِ اعلیٰ حضرت۔

اولیاء اللہ کے مناقب و فضائل اس لیے تحریر کرنا ضروری ہیں کہ ہر دور میں ان کی حیات مبارکہ سالکوں کو تقویت پہنچاتی ہیں۔ ان کے مؤثر ترین حالات بلکہ افضل ترین عبادات اہلِ کمال کی مصاحبت اور مقربانِ درگاہِ ذوالجلال کی ہم نشینی ہے کیونکہ ان کی استقامتِ احوال کا مشاہدہ سالک کو ہمت بخشتا ہے جس سے سخت عبادتیں اور دشوار ریاضتیں جو اس طریقِ سلوک میں لازم ہیں، آسان ہو جاتی ہیں بلکہ ان بزرگوں کے معائنۂ جمال

سے دل میں ایک نور پیدا ہوتا ہے جس سے شک وشبہ کی ظلمت جو علت بعد وحجاب ہے، زائل ہو جاتی ہے لیکن کاملوں کی دولت، صحبت اور عارفوں کے مشاہدۂ جمال سے محروم ہونے کے بعد ان کے حالات کا مطالبہ اور ان کے آثار کی پیروی، ہمت فرمائی اور ظلمت کو دور کرنے میں وہی تاثیر رکھتی ہے جیسی کہ ان کی صحبت وہم نشینی۔ نصیحت وعبرت کے علاوہ اس کے بہت سے فوائد ومنافع ہیں۔ اول یہ کہ اولیاء اللہ کا وجود ایک ایسی رحمت ہے جس میں سب شامل ہیں اور ایک ایسی نعمت ہے جس سے ہر شخص واصل ہے۔ پس وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ (اپنے رب کی نعمتوں کو بیان کر) کے بموجب ان کے مناقب وفضائل کا ذکر جو درحقیقت اس نعمتِ عظمیٰ وعطیۂ کبریٰ کا شکر یہ ہے، ضروری ہو جاتا ہے اور ان صفائیوں سے اعتقاد ومحبت واجب ولازم ہے۔

ہر کس کہ کمالِ اولیاء را نہ شناخت
ایں نعمتِ خاص بے بہا را نہ شناخت
پس شکر نگفت و حبِ ایشاں نگزید
می داں بہ یقیں کہ او خدا را نہ شناخت

بہت غور وفکر کے بعد ہم نے اسی لیے یہ پیشکش کی ہے عارفین وعاشقین عارف باللہ سے کہ وہ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی سیرتِ مقدسہ خالص اس انداز میں مرتب کریں جیسی کہ ''تذکرۃ الاولیاء'' ہے، ''سیرۃ فخر العارفین'' شریف ہے یا جیسا کہ صوفیہ کی پاک زندگیوں پر اکثر تذکرے تحریر میں لائے گئے ہیں۔ صوفیہ کی زندگی پر کسی کامل صوفی وولی کو ہی لکھنا چاہیے۔ یہ عالم کا کام نہیں۔ سلوک کا راستہ ہی دوسرا ہے۔ عشقِ رسول وجذبِ الٰہی میں جن کیفیات سے خود صاحبِ سلسلہ کو گذرنا پڑتا ہے، وہی بہتر جان سکتا ہے کہ مذکور کا مقام اتقاء کتنا ارفع وافضل ہے۔ صوفی کی نظر سے حجاباتِ الٰہی اٹھے ہوئے ہوتے ہیں، اس لیے وہی خود بہتر اندازہ لگا سکتا ہے اور بہتر طور پر اپنے سے افضل صاحبِ مقام حضرات کی پاک زندگیاں پیش کر سکتا ہے۔ تصوف کا علم قیاس پر مبنی نہیں بلکہ یقین کی بنیادوں پر قائم ہے۔ اس لیے سلسلہ قادریہ رضویہ برکاتیہ کے بزرگوں کو چاہیے کہ وہ اپنے سلسلہ کے بزرگوں کا

تذکرہ صرف خالص علمی انداز میں مرتب نہ کریں بلکہ صوفیانہ زندگی کو بھی پیش کریں اور تمام محاسن ومناقب کا کماحقہٗ جائزہ لیں تب ہی بات قارئین کی سمجھ میں آئے گی کہ ایسے دورِ ابتلاء میں بھی کیسے کیسے قطبِ وقت چھپے بیٹھے تھے۔ دنیا انہیں مقتدر علمائے دین سے جانتی تھی لیکن باطن میں کیسے فنافی اللہ، باقی باللہ تھے۔

حضرت امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ خالص قادریہ سلسلہ کے بزرگ ہیں۔ آپ کی عالمانہ شخصیت تو اظہر من الشمس ہے لیکن آپ کی صوفیانہ زندگی ادب واحترام رسول واولیاء اللہ بھی جو جانتے ہیں، ان پر خوب ظاہر ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت غوث الاعظم پیرانِ پیر حسنی حسینی غوث الصمدانی قطبِ ربانی محبوبِ سبحانی مقبولِ ہر دو جہانی شیخ سیدنا عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی تعلیمات پر بصدقِ دل عمل کیا ہے اور غایت درجہ احترام بھی کیا ہے۔ آپ تادمِ زیست بغداد کی سمت یا مدینہ کی طرف یا کعبہ کی جانب پیر پھیلا کر نہیں بیٹھے۔ آپ نے مجلس قطبِ ربانی سے بہت کچھ روحانی فیض حاصل کیا جیسا کہ پیرانِ پیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے:

> ''اے عالم! ہزار مہینوں کا راستہ طے کر کے آ تا کہ تو مجھ سے ایک قول سنے اور جب تو یہاں آئے تو اپنے عمل، زہد، پارسائی اور احوال پر نظر نہ رکھے تا کہ تو مجھ سے اپنا نصیب لے سکے۔ میری مجلس میں ملائک اولیاء اور غیب کے لوگ آتے ہیں تا کہ وہ مجھ سے بارگاہِ کبریاء میں تواضع کے آداب سیکھیں۔ حق تعالیٰ نے کوئی ولی پیدا نہیں کیا جو بصورت زندگی جسمانی اور بصورت موت روحاً میری مجلس میں شریک نہ ہوا ہو''۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے آداب، آپ رحمۃ اللہ علیہ کا نصیب، آپ رحمۃ اللہ علیہ کا مقام ولایت اور جو کچھ بھی آپ رحمۃ اللہ علیہ کو مقام جلیلہ ملا ہے، وہ صاحب سلسلہ کی دعاؤں اور برکتوں کا نتیجہ ہے۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پر حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی بڑی نظر تھی۔ اس لیے نہیں کہ وہ بہت بڑے عالم تھے بلکہ اس لیے کہ وہ بزرگوں کا حد درجہ ادب کرتے تھے اور سر نیاز جھکا دیا کرتے تھے۔ تمام علمائے دین اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ لیں اور گرہ میں باندھ لیں کہ جسے بھی ملا ہے اور جو کچھ بھی ملا ہے، وہ سب ادب کا نتیجہ ہے۔ تواضع وانکساری کا پھل ہے۔

اپنے آپ کو اتنا ذلیل وحقیر سمجھئے کہ لوگ آپ کا مذاق اڑانے لگیں۔ ایسے گمنام رہیے کہ پڑوسی بھی نہ جاننے پائیں کہ آپ مقبولِ بارگاہ ہیں۔ ایک دوسرے سے حسد و رقابت چھوڑیے اور جیسا صاف اور سیدھا راستہ خود ہمارے امام رحمۃ اللہ علیہ نے طے کیا ہے، بالکل ویسی ہی زندگی گذاریے تب جاکر آپ کو بشارتیں نصیب ہوں گی اور تب آپ مجلسِ رسول میں شمولیت کی سعادت حاصل کرسکیں گے۔ علم عمل کیلئے ضروری ہے، پاک زندگی گذارنے کیلئے شاہراہ کا کام دیتا ہے لیکن اسے غرورِ نفس کیلئے استعمال کرنا اور ایک خلقت کو ذلیل و خوار کرتے پھرنا اہل اللہ کا مسلک نہیں ہے۔ اسی لیے غالباً کہا گیا کہ دین میں اخلاص اتنا ہی ضروری ہے جیسا کہ بیعت میں عقیدت علمائے شہرت پسند کیلئے۔

حضرت خواجۂ خواجگان رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے:

''بہتے پانی کی آواز سنتے ہو؟ کیسے شور برپا کرتی ہے مگر جونہی دریا میں پہنچتی ہے، خاموش ہوجاتی ہے''۔

خاموشی بھی بڑی نعمت ہے۔ کاش نام ونمود کے متوالے ریاکار اشخاص اس قولِ جمیل سے سبق حاصل کریں۔ سالک کو تو اپنے پیر سے نسبت رکھنا چاہیے لیکن دوسرے بزرگوں سے بھی اسی طرح احترام وعقیدت سے پیش آنا چاہیے جس طرح اپنے سلسلے کے بزرگوں سے عقیدت رکھتا ہے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اپنے پیر ومرشد کی حد درجہ تعظیم کیا کرتے تھے اور آپ کے روضۂ اقدس پر بہت پُراثر عالمانہ وصوفیانہ تقریر کیا کرتے تھے۔ جب سجادہ نشین صاحب نے ایک مرتبہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے رکھوالی کیلئے دو کتوں کی فرمائش کی تو اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ اعلیٰ نسل کے دو کتے خانقاہِ عالیہ کی دیکھ بھال کیلئے بذاتِ خود دے آئے اور فرمایا کہ حضرت ان کتوں کو آپ کی خدمت میں پیش کردیا ہے۔ یہ سارا کام کاج کریں گے اور رات کے وقت رکھوالی بھی۔ جانتے ہیں یہ دو کتے کون تھے؟ آپ کے دونوں صاحبزادگان جن میں سے ایک حضرت قبلہ مفتیِ اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ تھے اور دوسرے تو زمانہ ہوا غریقِ رحمت ہوگئے ہیں۔ رحمۃ اللہ علیہ۔

جس سلسلہ میں بھی ہوں پیر ومرشد کے انتخاب سے قبل یا بیعت کرنے کے بعد

پورے خلوص و دیانت داری کے ساتھ خدمتِ پیر بجالانا چاہیے۔ شریعتِ مطہرہ کی پابندی کرنا چاہیے۔ صوم وصلوٰۃ وتزکیۂ نفس و مجاہدہ کی حتی المقدور سعیِ پیہم کرتے رہنا چاہیے جب تک کہ آدمی کی جان میں جان ہے اور یہی بیعت ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ بیعت کسے کہتے ہیں۔ بیعت کہتے ہیں مرشد کے ہاتھ پر بک جانے کو۔ مرید بیعت کے بعد خریدا ہوا غلام ہوتا ہے۔ اس کی اپنی کوئی مرضی نہیں ہوتی۔

حضرت شیخ یحیٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ فردوسی سلسلہ کے بہت ہی جلیل القدر بزرگ گذرے ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات تصوف کی تعلیمات کی شاندار عکاسی کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کے مرید حج سے واپس جہاز میں آرہے تھے۔ جہاز راستہ ہی میں آندھی کی نذر ہوگیا اور طوفانی موجوں سے گردابِ ہلاکت میں پھنس کر پاش پاش ہوگیا۔ مرید سمندر میں غرق ہونے لگے۔ اچانک حضرت خضر علیہ السلام حاضر ہوئے اور کہا کہ ہمارے ہاتھ میں ہاتھ دیجیے۔ آپ کو سمندر کی غرق کردینے والی لہروں سے بچاتے ہیں لیکن آپ نے فرمایا: میں یہ ہاتھ ہرگز نہ دوں گا اس لیے کہ میں اپنے شیخ کے ہاتھوں میں دے چکا ہوں۔ کہنے لگے: حضرت! ڈوب جاؤ گے۔ تب مرید صادق نے کہا: پروا نہیں ہے۔ ہم اصحابِ حسین کی طرح ہمت واستقلال کا ثبوت دیں گے۔ حضرت خضر علیہ السلام غائب ہوگئے اور پھر حضرت شیخ یحیٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ حاضر ہوئے اور اپنے مرید کو پانی سے نکالا اور ساحل پر پہنچایا۔

یہ محض من گھڑت باتیں نہیں ہیں۔ آپ کا معاملہ اگر اپنے شیخ سے استوار ہو، عقیدہ مضبوط ہو تو یقیناً امدادِ غیبی ملتی ہے۔ مدد کرنے والا چاہے شیخ نہ رہے مگر اللہ تعالیٰ جو تمام جہانوں کا پالنے والا اور مصیبت کے وقت ان کی مدد کرنے والا ہے یقیناً آڑے وقتوں میں محض اپنے دوستوں کی لاج رکھنے کیلئے سفر وحضر میں، دکھ و درد میں، ابتلاء و آزمائش میں، زندگی کے ہر سانحہ، ہر موڑ پر مدد فرماتا ہے مگر اولیاء اللہ کی پہچان کہاں ہے لوگوں کو۔ اللہ جل جلالہ نے اپنے خاص بندوں کو بہت چھپا رکھا ہے۔ اولیائے متاخرین و سابقین اپنی ولایتوں کو بوقتِ ضرورت ظاہر کیا کرتے تھے لیکن آج تمام ولیوں کو بے پردگی کا حکم نہیں ہے۔ وقت پڑنے پر بھی کرامتیں ظاہر نہیں ہوتیں، ہوتی بھی ہیں مگر پہچانی نہیں جاتیں۔ دیگر دلیلیں و

علتیں ایسی نمایاں ہوتی ہیں کہ دستِ غیب ثابت نہیں ہوتا۔ اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ کی زندگی میں بیشتر کرامتیں ظاہر ہوئیں مگر کسی کے بات سمجھ میں نہ آئی اور کوئی محض شمس العلماء کہہ کر رہ گیا۔ اصل میں بقول امام شعرانی رضی اللہ عنہ کہ فرماتے ہیں:

''جو چیزیں کہ اولیاء اللہ کی معرفت سے روکتی ہیں ان میں سے اشد حجاب شہودِ مماثلت ومشاکلت ہوتا ہے''۔

یہ بہت بڑا حجاب ہے۔ اس پردے سے اللہ تعالیٰ نے اکثر اولین وآخرین کو چھپایا ہے۔ حکمت الٰہیہ اس کی مقتضی ہے کہ اولیاء میں سے کسی کے اعتقاد پر ساری خلق کا اتفاق نہ ہو اور اس میں ایک سرِ خفی ہے کہ اگر ساری خلق اس ولی کی مصدق ہوتی تو تکذیبِ مکذبین پر صبر کرنے کا اجر اسے کیونکر ملتا۔ جو شخص کسی شخصِ معین کی تکفیر کرتا ہے گویا وہ اس بات کی خبر دیتا ہے کہ انجام اس کا آخرت میں ہمیشہ ہمیشہ کو آگ میں رہنا ہے۔ شہودِ مماثلت ومشاکلت نے اکثر علمائے دین کو مجتہدِ زمانہ امامِ عالی وقار علیہ الرحمہ کے مزاجِ عارفانہ کو سمجھنے نہ دیا اور ان کے معاصرین نے ان کا جب بھی موقع ملا، مذاق بھی خوب اڑایا۔ گالیاں بھی خوب دیں اور لعنت وملامت بھی جی بھر کر کی۔ ایک مرتبہ آپ کے مرید وحبیب نے آپ سے پوچھا کہ آپ غیر مقلدین کو برا بھلا کیوں لکھتے ہیں اور انہیں برانگیختہ کر دیتے ہیں کہ وہ آپ ہی کو گالیاں دینے لگ جاتے ہیں تو آپ علیہ الرحمہ نے ان سے فرمایا:

''میاں! میں چاہتا بھی یہی ہوں کہ دشنام طراز، کینہ جو، بدخصلت اور بدمذہب لوگ میرے آقا ومولا فخرِ موجودات سید السادات احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر سے ذہن ہٹالیں اور احمد رضا کو جی بھر کر کوسیں۔ میرے لیے یہی بہت بڑی سعادت ہے کہ طائف کے طرفداروں کو میں نے اپنے پیچھے لگالیا۔ وہ جتنا چاہیں مجھے لہولہان کریں، میں کچھ نہ بولوں گا''۔

گویا سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرح اپنے نفس کیلئے کسی سے بدلہ نہ لینے کی قسم کھالی تھی۔ یہ واقعہ آپ کے اخلاقِ حمیدہ کی تابندہ مثال ہے کہ آپ نے اپنے نفس کیلئے کبھی کسی سے بدلہ نہیں لیا۔ کسی کو اپنے مفاد کیلئے تباہ وبرباد نہیں کیا۔ بڑے تھے مگر علم کے۔ غرور میں

سیدھے سادھے پُرخلوص مسلمانوں سے کبھی نخوت وتکبر کا برتاؤ نہیں کیا۔ جس سے بھی ملے، خندہ پیشانی سے ملے، بزرگوں کی عزت کی۔ دوست احباب کے اصرار پر نعتیں کہیں۔ خوب خوب مجلسیں پند ونصیحت کی گرم رکھیں اور چھوٹوں پر شفقت کی۔ اپنے مریدوں کے ساتھ بھی آپ کا سلوک نہایت والہانہ وعاشقانہ تھا۔ آپ علیہ الرحمہ ان میں ان کی ذات وصفات کے مطابق عمل وفضل کے موجب، غربت وامارت کے بطور کبھی بھی حدِ امتیاز نہ برتتے تھے۔ سلوک سب سے یکساں تھا مگر ہر شخص یہی سمجھتا تھا کہ مجھی کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ اس لیے آپ خوب سمجھتے تھے کہ گناہ کرنے سے اتنا نقصان نہیں پہنچتا جتنا کہ کسی مسلمان بھائی کو ذلیل وخوار کرنے سے پہنچتا ہے۔ اہلِ معرفت کی عبادت نفس کی نگہداشت ہے۔ یہ ملفوظاتِ خواجہ عثمان ہارونی ہیں جن پر سختی سے ہر مومن کو کاربند وپابند ہو جانا چاہیے۔

امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے ایک بہت بڑے عالم، فاضل، فقیہ، محدث ہونے کے باوجود جو تصوف کو اتنی اہمیت دی، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ طریقت کو شریعت کے مخالف نہیں سمجھتے تھے بلکہ طریقت ہی کو شریعت کا جامع ترین اسوۂ متصدقہ خیال کرتے تھے۔ ہمارے مذہب میں جتنے بھی مقتدر اولیائے کرام، صوفیہ اور مشائخ گذرے ہیں، کسی نے بھی قرآن وسنت نیز احکامِ شریعت کی خلاف ورزی نہیں کی اور نہ کبھی اپنے ملفوظات میں ایمان شکن نظریات پیش کیے ہیں۔ موجودہ دور کے ترقی پسند، پڑھے، لکھے، تربیت یافتہ، آزاد خیال حضرات صرف اس لیے تصوف پر تنقید فرماتے ہیں کہ انہوں نے آج کے نام نہاد روحانی اُچکوں کو صوفی سمجھ لیا اور ان کے مسلک کو مسلکِ اولیاء، اصحاب الصفہ کا دھرم سمجھ لیا ہے حالانکہ یہ اصحاب الصفہ ہی تھے جن کیلئے حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ تم پر میرے ماں باپ قربان! تمہاری خبر گیری کیلئے مجھے اللہ کا خاص پیغام آیا ہے اور مجھے سخت تاکید کی گئی ہے۔

اب یہ سمجھ لینا چاہیے کہ بذاتِ خود تصوف کیا ہے۔ میں غیر ضروری تفصیل میں نہ جاؤں گا کہ صوفی کسے کہتے ہیں اور اس کے اصطلاحی وعملی معنی کیا ہیں۔ بتانا صرف یہ ہے کہ صالحین کے مذہب کو جتنا نفرت انگیز اور حقارت خیز آج دیکھا جاتا ہے، سچ تو یہ ہے کہ یہی وہ واحد نجات کا راستہ ہے جس پر زندگی بھر خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قائم ودائم رہے اور آج صرف انہی

مخلصین لہُ الدین کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح ساتھ ساتھ گامزن رہتی ہے اور سالکوں کو راستہ دکھاتی ہے۔ میرے خیال میں فرقۂ ناجیہ صرف صوفیہ کا طبقہ ہے جو منتشر ہونے کے باوجود الگ سے پہچانا جا سکتا ہے۔

تصوف پر امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کے معرکۃ الآراء خیالات سنیئے: طبقات میں فرماتے ہیں:

''علمِ تصوف عبارت ہے ایک علم سے کہ جب اولیاء اللہ کے دل کتاب و سنت پر عمل کرنے سے روشن ہو جاتے ہیں تو وہ علم ان کے دلوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ سو جو شخص کتاب و سنت پر عمل کرتا ہے، اس کیلئے اس عمل کی برکت سے ایسے علوم و آداب و اسرار و حقائق ظاہر ہوتے ہیں جن کے بیان سے زبانیں عاجز ہیں۔ پس تصوف خلاصہ ہے بندے کے عمل کا احکامِ شریعت کے ساتھ جب کہ اس کے عمل سے تعیش اور حظوظِ نفس دور ہو جائیں جیسے علمِ معانی و بیان خلاصہ ہے علمِ نحو کا۔ سو جو شخص علمِ تصوف کو مستقل علم ٹھہراتا ہے، وہ سچ کہتا ہے اور جو کوئی اس کو عین احکامِ شریعت قرار دیتا ہے، وہ بھی سچا ہے''۔

بڑے بڑے معتقد فقہاء صلحاء کے پاس صوفیہ کا کیا مقام تھا۔ امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ کے افکار سے ملاحظہ فرمایئے۔

پہلے امام شعرانی کا قول نقل کرتا ہوں۔ فرماتے ہیں:

''قوم نے اس پر اجماع کیا ہے کہ طریق اللہ کی تعلیم کیلئے وہی شخص لیاقت رکھتا ہے جس کو علم شریعت میں تبحّر حاصل ہوا ہو۔ شریعت کے منطوق و مفہوم اور خاص و عام، ناسخ و منسوخ جانتا ہو۔ علمِ لغت میں تبحر رکھتا ہو۔ یہاں تک کہ عربی زبان کی مجازات، استعارات وغیرہ سے واقف ہو۔ پس ہر صُوفی فقیہ ہے اور ہر فقیہ صوفی نہیں ہے''۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اپنے بیٹے کو رغبت دلاتے تھے کہ اس زمانے کے صوفیہ کے ساتھ صحبت رکھے اور فرماتے تھے کہ بیشک یہ لوگ اخلاص میں اس مقام کو پہنچے ہیں کہ ہم اس

کو نہیں پہنچے۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ صوفی فقیہ ہیں اور ایسی زبردست نورانی شخصیت کے مالک ہوئے ہیں کہ دور دراز سے لوگ سفر کر کے ان سے ملاقات کو آئے اور فیض حاصل کیا۔ اگر وہ کتنے ہی بڑے فقیہ ہوتے مگر صوفی نہ ہوتے تو آج اللہ تبارک وتعالیٰ ان کے نام کو اتنا بلند نہ کرتا جتنا کہ آج ہو چکا ہے۔ کچھ دنوں تک بہت پرچار ہوتا بعد میں کوئی آپ کا یا بریلی شریف کا نام تک نہ جانتا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ احوالِ اہل اللہ گو پردۂ خفا میں ہیں مگر جن کے ظاہر ہیں، خوب ظاہر ہیں۔ ہر کس و ناکس سر جھکانے پر مجبور ہے۔ یہ محض صوفیہ کا والہانہ اندازِ محبت ہے اور خالص فنائیت فی اللہ و رسول ہے جس نے چہار سمت ان کی شہرت کا آوازہ بلند کیا ہے۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات اور تصوف پر بیشتر تصانیف اس امر کی شاہد ہیں کہ آپ کا دل تصنع سے پاک اور محض نام و نمود کا دلدادہ نہ تھا۔ جن لوگوں نے آپ کی تصنیفات الاہلال بفیض الاولیاء بعد وصال، انہار الانوار من یم صلوٰۃ الاسرار، ازہار الانوار من صبا صلوٰۃ الاسرار، طوالع النور فی حکم سراج علی القبور، مجیر معظم شرح قصیدہ اکسیر اعظم، تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین، اقامۃ القیامہ علیٰ طاعن القیام لنبی تہامہ، سلطنۃ المصطفیٰ فی ملکوت کل الوریٰ، عدی الحیر ان فی نفی الفی عن شمس الاکوان، اسماع الاربعین فی شفاعۃ سید المحبوبین، الصمصام الحیدری، شرح العقائد، حاشیہ مفتاح السعادۃ، حاشیہ صواعق محرقہ، حاشیہ احیاء العلوم، حاشیہ بہجۃ الاسرار، حاشیہ کشف الظنون، الفوز بالآمال فی الادفاق والاعمال وغیرہم پڑھی ہیں، وہ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کے سینے میں کس حد تک شیخ یحییٰ منیری رحمۃ اللہ علیہ کی تڑپ تھی، بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کا سوزِ دل تھا اور حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی سی شانِ محبوبیت تھی۔

امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے مقال العرفاء باعزاز شرع وعلماء میں شریعت وطریقت پر بحث کی ہے۔ جو کچھ ہم نے کہا ہے اگر اس میں ذرہ برابر بھی کم و بیش آپ ان کی تحریر میں پائیں تو جو چاہیں، سزا دیں وگرنہ مان لیں کہ قبلہ و کعبہ مجدد اعظم صوفی فقیہ تھے اور مقربِ بارگاہ تھے۔ فرماتے ہیں:

''شریعت اصل ہے اور طریقت اس کی فرع۔ شریعت منبع ہے اور طریقت اس سے نکلا ہوا دریا۔ طریقت کی جدائی شریعت سے محال و دشوار ہے۔ شریعت ہی پر طریقت کا دارومدار ہے۔ شریعت ہی اصل کار اور محک و معیار ہے۔ شریعت ہی وہ راہ ہے جس سے وصول الی اللہ ہے۔ اس کے سوا آدمی جو راہ چلے گا، اللہ تعالیٰ کی راہ سے دور جا پڑے گا۔ طریقت میں جو کچھ منکشف ہوتا ہے، شریعتِ مطہرہ ہی کے اتباع کا صدقہ ہے۔ جس حقیقت کو شریعت رد فرما دے وہ حقیقت نہیں بے دینی اور زندقہ ہے''۔

تصوف میں عشقِ رسول بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ فرقۂ وہابیہ اور دیوبند تحریک کے بڑے بڑے زبان درازوں کا گستاخ و بے ادب فتنہ پردازوں کا امام احمد رضا علیہ الرحمہ نے اپنی تحریروں میں بہت دندان شکن جواب دیا ہے مثلاً کرامت اللہ خاں صاحب کے استفتاء کے جواب میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ نے رسالہ مبارکہ ''الامن والعلیٰ لناعتی المصطفیٰ بدافع البلاء'' تحریر کیا تھا اور مقامِ رسول اور بخششِ الٰہ کی بڑی پرخلوص وضاحت کی تھی۔ فرمایا:

اللہ جل جلالہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دولتمند کر دیا،

اللہ جل جلالہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم نگہبان ہیں،

اللہ جل جلالہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم بے والیوں کے والی ہیں،

اللہ جل جلالہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم مالوں کے مالک ہیں،

اللہ جل جلالہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم زمین کے مالک ہیں،

اللہ جل جلالہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف توبہ،

اللہ جل جلالہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی دہائی،

اللہ جل جلالہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم دینے والے ہیں،

اللہ جل جلالہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دینے کی توقع،

اللہ جل جلالہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نعمت دی،

اللہ جل جلالہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے عزت بخشی،

حضور ﷺ اپنی امت کے حافظ ونگہبان ہیں،
حضور ﷺ کی طرف سب کے ہاتھ پھیلے ہیں،
حضور ﷺ کے آگے گڑگڑا رہے ہیں،
حضور ﷺ ساری زمین کے مالک ہیں،
حضور ﷺ سب آدمیوں کے مالک ہیں،
حضور ﷺ تمام امتوں کے مالک ہیں،
دنیا کی ساری مخلوق حضور ﷺ کے قبضہ میں ہے،
مدد کی کنجیاں حضور ﷺ کے ہاتھ میں ہیں،
نفع کی کنجیاں حضور ﷺ کے ہاتھ میں ہیں،
جنت کی کنجیاں حضور ﷺ کے ہاتھ میں ہیں،
دوزخ کی کنجیاں حضور ﷺ کے ہاتھ میں ہیں،
آخرت میں عزت دینا حضور ﷺ کے ہاتھ ہے،
قیامت میں کل اختیار حضور ﷺ کے ہاتھ ہے،
حضور ﷺ مصیبتوں کو دور فرمانے والے،
حضور ﷺ سختیوں کو ٹالنے والے،
حضور ﷺ کے خادم رزق آسان کرتے ہیں،
حضور ﷺ کے خادم بلائیں ہٹاتے ہیں،
حضور ﷺ کے خادم بلندیِ مرتبہ دیتے ہیں،
حضور ﷺ کے خادم تمام کاروبارِ عالم کی تدبیر کرتے ہیں،
اولیائے کرام رحمہم اللہ کے سبب بلا دور ہوتی ہے،
اولیائے کرام رحمہم اللہ کے سبب روزی ملتی ہے،
اولیائے کرام رحمہم اللہ کے سبب مدد ملتی ہے،
اولیائے کرام رحمہم اللہ کے سبب بارش ہوتی ہے،

اولیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم کے سبب زمین قائم ہے۔

خاصانِ خدا کا یہ مقام ہے۔ اگر سوال کا جواب صاحبِ شریعت سے مل جائے تو پھر کسی کو چون و چرا کی گنجائش نہیں ہونی چاہیے۔

فخرِ موجودات سید السادات احمدِ مجتبیٰ محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

''بیشک اللہ عزوجل دوست رکھتا ہے اپنے خلق سے اتقیاء، اصفیاء، ابرار کو جن کے بال پریشان، منہ غبار آلود، پیٹ دبلے ہیں۔ جب وہ امراء کے یہاں آنے کی اجازت چاہیں تو ان کیلئے آنے کی اجازت نہ دی جائے، اگر مالدار عورتوں سے نکاح کا پیغام کریں تو ان سے نکاح نہ کریں، غائب ہوں تو ان کی تلاش نہ کریں، آجائیں تو ان کے آنے سے خوش نہ ہوں، بیمار ہوں تو ان کی عیادت نہ کریں، مرجائیں تو ان کے جنازے میں حاضر نہ ہوں، زمین والوں میں مجہول (مگر) آسمان والوں میں معروف ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ پر قسم کھا بیٹھیں تو ضرور ان کی قسم کو سچی کردے۔ اللہ کے محبوب بندے زمین و آسمان کی ہر مخفی چیز کو اللہ کے نور سے دیکھتے ہیں۔ اس لیے ان کو اپنے آپ پر قیاس کر کے ذلیل نہ کیا کرو''۔

سوچنے اور امتحان لینے والا خالص مٹی کا پتلا ہے وہ بقول جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے ابھی تک جنید تک نہیں پہنچا تو اللہ تک کیونکر رسائی ہوسکتی ہے۔ لہٰذا ثابت کرو کہ علم و عرفان، بصیرت و بصارت کی پہلی منزل خود مقامِ صوفیہ ہے۔ مرید اگر اپنے پیر کے تصور میں انہماک و استقامت حاصل کرے تو پھر اسی نور سے اللہ عزوجل اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دیکھ سکتا ہے۔ شخصیت کا افتراق سہی مگر ارواح کا اتصال ضرور ہے۔ اسی نسبت کو حاصل کرنے کیلئے اکابر صوفیہ، اجل اولیاء نے سلاسل میں نسبت حاصل کرنے پر زور دیا ہے۔

ایک مثل بہت مشہور ہے مگر بات بہت صحیح ہے کہ جس کا کوئی مرشد نہیں ہوتا، اس کا شیطان پیر ہوتا ہے۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے افکار و احوال صوفیہ و مشائخ کا مذہب ہونے کے باوجود اپنے

اندر کافی گہرائی وانفرادیت رکھتے ہیں مثلاً دستِ غیب سے متعلق فرمایا:

''اور جو اللہ سے ڈرے اس کیلئے اللہ نجات کی راہ نکال دے گا اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں سے اس کا گمان نہ ہو''۔

حضرت کو اسی بات کا بڑا غم وافسوس رہا کہ مومن کا خشیت وہیبتِ الٰہی پر عمل نہیں رہتا وگرنہ کشائشِ رزق کا ہرگز قلق نہ ہوتا۔ اس قدر کشادگی سے دامن بھر جاتا کہ سمیٹنا مشکل ہو جاتا۔

دوسری جگہ منصبِ ولایت کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا:

''اطباق ائمہ کا، علماء کا، جمہور کا، سوادِ اعظم کا جس کو ولی مان رہا ہے، وہ بیشک ولی ہے''۔

لیکن آگے چل کر فرمایا کہ خلافِ شریعت ہر وقت کے بکتے رہنے والے کو حالتِ سکر کا عذر سمجھ کر معاف نہیں کیا جا سکتا اور نہ ولی سمجھا جا سکتا ہے۔ مرتبۂ غوثیت کی توجیہات علمِ لدُنّی پر مبنی ہیں اس لیے کہ اس قسم کی باتیں صرف سینہ بہ سینہ ہی منتقل ہو سکتی ہیں۔ کہیں کسی کتاب میں اس طرح کی بحث پڑھنے کو نہیں ملتی۔

فرماتے ہیں:

''بغیر غوث کے زمین وآسمان قائم نہیں رہ سکتے۔ غوث ہر زمانے میں ہوتا ہے۔ غوث کو مراقبے سے حالات منکشف نہیں ہوتے بلکہ انہیں ہر حال میں یونہی مثلِ آئینہ پیشِ نظر ہے۔ وہ دنیا کو ہتھیلی میں رائی کے دانے کی مانند دیکھتے ہیں۔ ہر غوث کے دو وزیر ہوتے ہیں۔ غوث کا لقب عبداللہ اور وزیر دست راست عبدالرب و وزیرِ دستِ چپ عبدالملک۔ اس سلطنت میں وزیر دست چپ وزیرِ راست سے اعلیٰ ہوتا ہے بخلاف سلطنتِ دنیا۔ اس لیے کہ یہ سلطنتِ قلب ہے اور دل جانبِ چپ، غوثِ اکبر وغوثِ ہر غوث حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر دستِ چپ تھے اور فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ وزیرِ راست۔ پھر امت میں سب سے پہلے درجۂ غوثیت پر امیر

المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ممتاز ہوئے اور ان کے دو وزیر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ مقرر ہوئے۔ اسی طرح یہ سلسلہ حضرت امام حسن عسکری رحمۃ اللہ علیہ تک آیا اور بعد میں حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ غوث ہوئے۔ اب ان کے بعد جتنے غوث ہوئے، سب ان کے نائب ہوئے۔ اب حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ تنہا غوثیہ کبریٰ کے درجہ پر فائز ہوئے۔ حضور غوث اعظم بھی ہیں اور سید الافراد بھی۔ حضور کے بعد جتنے اب ہوں گے، حضرت امام مہدی رضی اللہ عنہ تک سب نائبِ حضور غوثِ اعظم رضی اللہ عنہ ہوں گے۔ پھر امام مہدی رضی اللہ عنہ تک غوثیتِ کبریٰ عطا ہوگی"۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اور امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ کے مباحث کے بعد فرمایا کہ بعض علوم کے ذریعہ سے مجھے ایسا خیال گذرتا ہے کہ شاید ۱۸۳۷ھ میں کوئی سلطنتِ اسلامی باقی نہ رہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ایک اور جگہ فرمایا:

"ثواب وعذاب جسم وروح دونوں کو ہوتا ہے اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ جنہیں پسند کرتا ہے، ان کی دعا جلد قبول نہیں کرتا۔ گو کہ وہ روتے اور گڑگڑاتے ہیں لیکن پروردگارِ عالم جبریل علیہ السلام سے فرماتا ہے کہ اے جبریل! اس مومن بندے کا رونا اور مری طرف اس کا منہ اٹھا کے دعا مانگنا اچھا لگتا ہے لیکن فاسق و فاجر کی دعا جلد قبول ہوجاتی ہے۔ اس لیے کہ عرش و کرسی کی طرف اس کا منہ اٹھانا اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا اسے دیکھنا پسند نہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ مومنین کی اگر دعائیں قبول نہ ہوتی ہوں تو دل برداشتہ نہ ہوا کریں اور نہ ہی ناصبوری کے عالم میں ناشکری کے کلمات زبانِ پاک سے نکالیں۔ اس لیے کہ مشیتِ الٰہی بقول حضور خود اسی بات کی متقاضی ہے لہٰذا صبر کریں اور تقدیرِ الٰہی پر راضی رہا کریں"۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات تصوف کا بیش بہا خزینہ ہیں۔ اس چھوٹے سے

مضمون میں اتنی گنجائش نہیں کہ تمام تر اہم باتیں قارئین کی خدمت میں پیش کرسکوں۔ اگر اللہ توفیق دے تو اعلیٰ حضرت قبلہ رضی اللہ عنہ کے اَفکار واحوال بنظرِ غائر مطالعہ کرنا چاہیے اور تمام پند ونصائح کو گرہ میں باندھ لینا چاہیے کہ یہی فلاحِ دین ودنیا اور آخرت میں کام آنے والے سہارے ہیں۔

صوفی کے راستے میں تادمِ زیست سب سے زیادہ کانٹے شیطان بچھاتا ہے۔ اس کے بہکاوے ایسے پُرفریب ہوتے ہیں کہ اچھے اچھے الہام وعرفان سمجھ کر جھوٹ کو سچ سمجھنے لگتے اور سیدھی راہ سے دور جاپڑتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس ضمن میں حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کے مریدین کی حکایت بیان کرکے فرمایا:

''بغیر علم کے صوفی کو شیطان کچے دھاگے کی لگام ڈالتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ جتنا علم وسیع ہوتا جاتا ہے، سالک سمندر کی طرح پھیل کر گہرا اور وشال ہوجاتا ہے۔ جب تک انسان میں تمیزِ حرام وحلال پوری طرح واضح نہ ہوجائے تو اس بات کا امکان رہتا ہے کہ بعض حرام ناجائز قسم کے افعال واعمال بھی مسلمان لاعلمی کی وجہ سے مباح اور حلال سمجھ کر کرتا رہے گا اور گنہگار ہوتا رہے گا۔ اس لیے راہِ سلوک کے متوالوں کو چاہیے کہ تمام تر ضروری علم حاصل کریں۔ یاد رہے کہ غیر ضروری دنیاوی علم کو حاصل کرنا ضروری نہیں ہے بلکہ بسا اوقات تضیعِ اوقات ثابت ہوتا ہے''۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ عطائے خلافت کے معاملہ میں بہت سخت تھے۔ حضرت اخی سراج رحمۃ اللہ علیہ کو اتنا محبوب رکھنے کے باوجود آپ رحمۃ اللہ علیہ نے خلافت عطا نہ کی تاوقتیکہ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے شریعتِ مطہرہ کا تبحر حاصل کرلیا۔

شیخ کے پردہ فرمانے کے بعد مرید کو کس طرح حاضری دینی چاہیے۔ اس کے بارے میں بھی بہت عمدہ ہدایت فرمائی ہے۔ فرمایا:

''مرید کو چار ہاتھ کے فاصلہ سے کھڑا ہوکر فاتحہ پڑھنا چاہیے۔ حیات میں مرید جیسا ادب کرتا ہے، سامنے سے حاضر ہوکر باادب کھڑا ہونا چاہیے۔ اور

جگہ کھڑا ہونے میں پیر کو مڑ کر دیکھنے میں تکلیف ہوتی ہے۔اس لیے قبر میں جس سمت چہرہ کھلا ہوتا ہے اس سمت مرید کو بھی کھڑا ہونا چاہیے''۔

ایک جگہ حضرت شیخ سعدی کے قولِ نصیحت کو اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی اہمیت دی اور فرمایا کہ کیا وجہ ہے مرید عالم فاضل اور صاحبِ شریعت وطریقت ہونے کے باوجود دامنِ مراد نہیں بھر پاتا غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ مدارس سے فارغ اکثر علمائے دین اپنے آپ کو پیر سے افضل سمجھتے ہیں یا علم کا غرور اور کچھ ہونے کی سمجھ کہیں کا نہیں رہنے دیتی۔ وگرنہ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا مشورہ سنیں۔فرماتے ہیں: بھر لینے والے کو یہ چاہیے کہ جب کسی چیز کے حاصل کرنے کا ارادہ کرے تو اگرچہ کمالات سے بھرا ہوا ہے مگر اپنے کمالات کو دروازے پر ہی چھوڑے اور یہ جانے کہ میں کچھ جانتا ہی نہیں۔خالی ہو کر آئے گا تو کچھ پائے گا اور جو اپنے آپ کو بھرا سمجھے گا تو

؎ اناء کہ پُر شدد گرچوں پُردا

''بھرے برتن میں اور کوئی چیز نہیں ڈالی جاسکتی''۔

بزرگانِ دین کے اعراس مقدسہ کے تعین کی بابت فرمایا:

''اولیائے کرام کی ارواحِ طیبہ کو ان کے وصالِ شریف کے دن قبورِ کریمہ کی طرف توجہ زیادتی ہوتی ہے۔چنانچہ وہ وقت جو وصال کا ہے، اخذِ برکات کیلئے زیادہ مناسب ہوتا ہے''۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ قادری ہونے کے باوجود چشتیہ سلسلے کے تمام بزرگانِ دین کی بے پناہ عزت واحترام کرتے تھے۔ایک جگہ فرمایا:

''حضرت خواجۂ خواجگان رضی اللہ عنہ کے مزار پر بہت کچھ فیوض و برکات حاصل ہوتے ہیں''۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ سچی اور قلبی ارادت کو فیض کی کنجی سمجھتے تھے اور مرشد کی توجہ سے بیڑا پار جانتے تھے۔تصوُّف میں ان دونوں باتوں کی بہت ہی زیادہ اہمیت ہے۔مرید ہوا مگر پیر سے ارادت نہ ہوئی، ہرگز فیض نہ ہوگا۔زندگی بھر خدمت کی لیکن نفس ساتھ ساتھ چلتا رہا،

ہرگز پیر کی نظر نہ ہوگی۔ بے لوث خدمت کی بات کچھ اور ہوتی ہے۔

حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کا ارشادِ پاک ہے:

''جب تک مرید یہ اعتقاد نہ رکھے کہ میرا شیخ تمام اولیائے زمانہ سے میرے لیے بہتر ہے، نفع نہ پائے گا''۔

علی بن ہیتی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید علی جوسقی رحمۃ اللہ علیہ سے مخاطب ہو کر غوث اعظم رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا تھا:

''اپنے تمام حوائج میں اپنے شیخ ہی کی طرف رجوع کرے یعنی اگر شیخ کا شیخ بھی سامنے موجود ہے تب بھی اپنے شیخ کی نظرِ کرم کا محتاج رہے۔ در بدر کا ہرجائی کہیں سے بھی کچھ نہیں پاتا''۔

آدابِ مریدین میں حضرت مجدد اعظم نے بہت فیوض و برکات کے کلمات کہے ہیں مثلاً ایک جگہ فرمایا:

''شیخ کے حضور خاموش رہنا افضل ہے۔ ضروری مسائل پوچھنے میں حرج نہیں''۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ نے تاکیداً کہا:

شیخ کے حضور بیٹھ کر ذکر بھی نہ کرے کہ ذکر میں دوسری جگہ مشغول ہوگا اور یہ حقیقتاً ممانعتِ ذکر نہیں بلکہ تکمیلِ ذکر ہے کہ وہ جو کرے گا، بلا توسّل ہوگا اور شیخ کی توجہ سے جو ذکر ہوگا، وہ بتوسط ہوگا۔ یہ اس سے بدرجہا افضل ہے۔ اصل کار حسنِ عقیدت ہے۔ یہ نہیں تو کچھ نفع نہیں اور صرف حسنِ عقیدت ہے تو خیر اتصال تو ہے۔ پرنالہ کے مثل تم کو فیض پہنچے گا، حُسنِ عقیدت ہونا چاہیے''۔

مجاذیب کے بارے میں ارشاد فرمایا:

''وہ خود سلسلہ میں ہوتے ہیں۔ ان کا کوئی سلسلہ نہیں۔ ان سے آگے پھر نہیں چلتا''۔

یعنی مجذوب اپنے سلسلہ میں منتہی ہوتا ہے۔ اپنا سا کوئی دوسرا مجذوب پیدا نہیں کر سکتا۔

وجہ غالباً یہ ہے کہ مجذوب مقامِ حیرت ہی میں فنا ہو جاتا ہے اور بقاء حاصل کر لیتا ہے۔ اس لیے غیر کی طرف توجہ نہیں ہوتی۔

کرامت کسی بھی ولی کی کسبی نہیں ہوتی۔ سب کی کرامتیں وہبی ہوتی ہیں۔ باقی جو کچھ ہوتا ہے، بھان متی اور شعبدہ بازی ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے:

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا

''وہ جو ہماری راہ میں مجاہدہ کرتے ہیں، ضرور ہم انہیں راہ دکھائیں گے سچی جدوجہد ہونا چاہیے''۔

سچ تو یہ ہے کہ طلبِ صادق کبھی خالی نہیں جاتی۔ اولیاء اللہ کی سچے دل سے پیروی کرنا اور مشابہت کرنا کسی دن ولی اللہ کر دیتا ہے۔ اس لیے کہ جو کسی کا تشبّہ کرتا ہے اللہ اس کو بھی اسی گروہ میں شامل کر دیتا ہے۔ مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ۔ چونکہ محض مشابہت میں سالک رہا ہے، اس لیے ولی اللہ نہ بن سکے گا۔ یہی وجہ ہے کہ نام نہاد صوفی کالی کملی والے سے بہت دور غارِ ہلاکت میں جا پڑے ہیں۔ اللہ عزوجل ایسے کذب اور تصنع سے محفوظ رکھے۔

نبوت اور ولایت کا فرق بھی سمجھ لیجیے۔ فرماتے ہیں:

''ولایت کی توجہ الی اللہ ہوتی ہے اور نبوت کی توجہ الی الخلق۔ نبوت اسی طرح سے غیب پر مطلع ہونے کا نام ہے''۔

تصوف میں قلب اور نفس کی اصلاح کا ایک خاص معنی ہے۔ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''قلب حقیقتاً اس مضغہ گوشت کا نام نہیں بلکہ وہ ایک لطیفۂ غیبیہ ہے جس کا مرکز مضغہ گوشت ہے۔ یہ سینے کے بائیں جانب ہے اور نفس کا مرکز زیرِ ناف ہے''۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات اور تصوف پر ان کے فکر انگیز ملفوظات بہت گہرے مطالعہ و مشاہدہ کی دین ہے۔ اس احتیاط و توازن کے ساتھ آپ نے کلماتِ حکمت فرمائے

ہیں کہ ذرہ برابر تنقید کی گنجائش نہیں۔ اگر سالک صدقِ دل سے آپ کی راہ پر سفر اختیار کرے اور بزرگوں سے سچی نسبت پیدا کرے تو اس کی منزل اس دورِ ابتلاء و آزمائش میں بھی کامیابی سے ہمکنار ہو سکتی ہے۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تمام تر تصنیفات انتہائی اَدق اور مشکل عربی و فارسی زبان میں تحریر ہوئی ہیں نیز اردو بھی کافی مشکل ہے۔ ضرورت ہے اس بات کی ایک اہلسنّت و جماعت کی ضمنی کمیٹی مقرر ہو اور وہ کمیٹی ان تمام کتابوں کو تشریحات و توضیحات اور فرہنگ کے ساتھ شائع کرے۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تحریروں میں اسلامی دنیا کے سینکڑوں مفکروں، دانشوروں، فقہاء و صلحاء و محدثین نیز علم الکلام و فلسفہ کے علماء اور اولیاء کے اسمائے گرامی استعمال کیے ہیں، الگ سے ان بزرگوں کی مختصر سوانح عمریاں بھی توضیحات کے ساتھ ساتھ شائع کی جانی چاہئیں۔

تصوف جیسے اسرارِ الٰہیہ و علومِ غیبیہ پر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی نہ صرف نثری تخلیقات شاہد ہیں بلکہ شعری تخلیقات میں بھی بہت زیادہ جواہر پارے ہیں۔ ہم نے شاعری کا بھی بہ نظرِ غائر مطالعہ کیا ہے لیکن چونکہ موضوع سے ہٹ کر تھا۔ اس لیے اس مضمون میں اشعار سے اقتباسات پیش نہیں کیے گئے۔ بہرحال امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ صرف مجدد عالم ہی نہیں کامل ولی اللہ ہوئے ہیں اور ہمارے درمیان آج بھی اسی طرح موجود ہیں، جس طرح آپ اپنی جسمانی حیات میں فیوض و برکات کا سرچشمہ سمجھے جاتے تھے۔ صرف پردہ ہے جو نظر کا ہے ورنہ آج بھی وہ ہماری مدد کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ بصد خلوص استغاثہ پیش کیا جائے اور مزارِ پُر انوار سے کسب فیض کیا جائے۔ اللہ مدد کرنے والا ہے۔ کوششیں صحیح ہونی چاہئیں۔

اپنی نظر ہی پردہ ہے دیدار کیلئے
ورنہ کوئی حجاب نہیں یار کیلئے



حضرت مولانا محمد احمد اعظمی مصباحی حفظہ اللہ کی تصانیف

1- امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ اور تصوّف[1]

2- امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کی فقہی بصیرت جدّ الممتار کے آئینے میں (عربی و اردو)

3- امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ اور علم الکلام

4- امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ اور فتنۂ قادیاں

5- امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ کا مجدّدانہ مقام

6- تذکرۂ رضا

7- تذکرۃ النعمان

8- تذکرۂ مخدوم

9- حافظِ ملّت

10- کواکبِ رضا

11- تدوینِ قرآن

12- رانچی میں یومِ رضا

13- داستانِ قبولِ اسلام

14- مقالاتِ سیّد

15- تنقیدِ معجزات کا علمی محاسبہ

16- اسلام اور رشتۂ ازدواج

17- معین العروض والقوافی

18- مدارسِ اسلامیہ کا انحطاط

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کُتب پر حواشی اور تراجم

1- مسئلۂ تدبیر (التحبیر بباب التدبیر)

2- مسئلۂ تقدیر (ثلج الصدر لایمان القدر)

3- مزارات پر عورتوں کی حاضری (جمل النور فی نھی النساء عن زیارۃ القبور)

4- فلسفہ اور اسلام (مقامع الحدید علی خدّ المنطق الجدید)

5- معانقۂ عید اور مصافحۂ بعد نماز (وشاح الجید فی تحلیل معانقۃ العید)

6- براءتِ علی از شرکِ جاہلی (صیانۃ المکانۃ الحیدریّہ عن وصمۃ عھد الجاھلیۃ)

7- رسُومِ شادی (ھادی الناس فی رسوم الاعراس)

8- فتاویٰ رضویہ (جلد اوّل باب التیمّم تا آخرِ جلد)

9- عباب الانوار ان لانکاح بمجرد الاقرار

10- ھبۃ النساء فی تحقق المصاھرۃ بالزناء

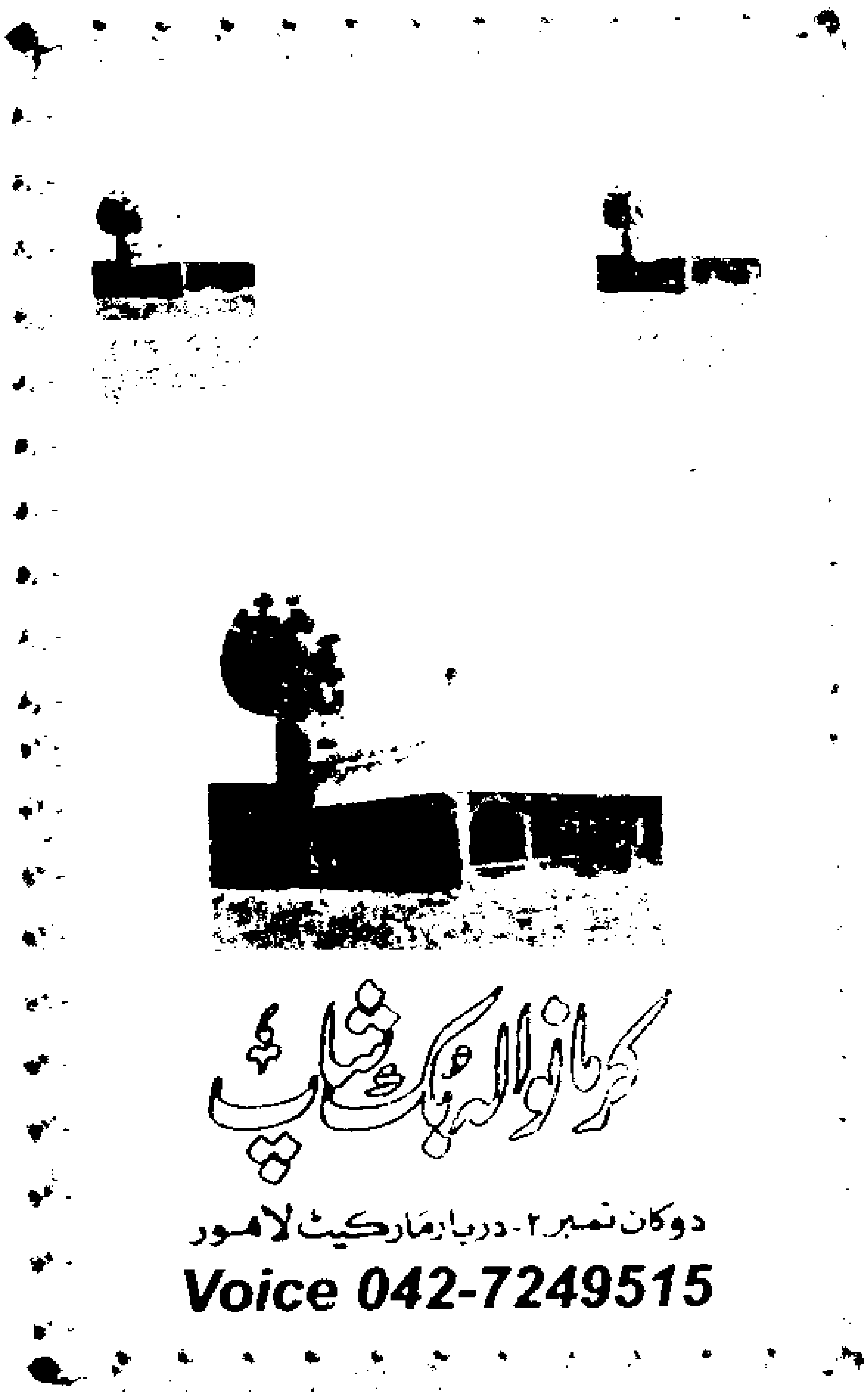
11- وصاف الرجیح فی بسملۃ التراویح

12- جدّ الممتار علیٰ ردّ الممتار (ترتیب و تدوین)[2]

1- کتابِ ھذا۔۱۲ محمد رضا   2- ماخوذ از مرأۃ التصانیف و حالاتِ مُصنّف۔۱۲ محمد رضا



الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

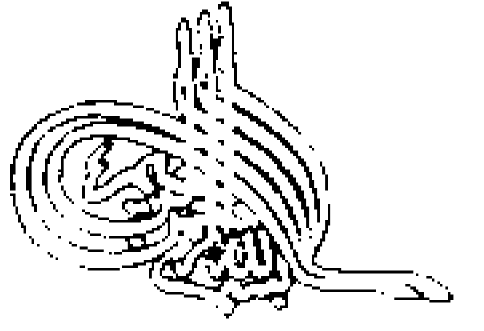


بدترین مال وہ ہے کہ جس سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ ہو اور نہ اُسکی زکوٰۃ نکالی جائے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بلغ العلیٰ بکمالہ کشف الدجیٰ بجمالہ

پہنچے بلندیوں پر وہ محمد ﷺ اپنے کمال سے — اُن کے جمال سے اندھیرا روشن ہو گیا



الصلوٰۃ والسلام علیک یارسول اللہ

کرمانوالہ بک شاپ

دوکان نمبر ۲، دربار مارکیٹ لاہور

Voice 042-7249515

بہترین مال وقف کہ جس سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ ہو

حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ صَلُّوْا عَلَیْہِ وَآلِہٖ

تمام اچھی خصلتیں آپ ﷺ میں جمع ہو گئیں آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کی آل پر درود بھیجو

ارباب فکر و نظر اور اہل علم و تحقیق کے لیے

خوشخبری

الحمد للہ

ملت مولانا شا

کو خواص و عوام

آپ رحمۃ اللہ علیہ کے کتب

جدید انداز

ہمیں جدید

قدیم المطبوعہ

آر

تعلیقاتِ رضا

پیش

جد

معار

کرمانوالہ بک شاپ

Voice 042-7249515